
اللہ
ماہنامہ
مومن
لاہور
مئی 2004ء

ربیع الاوّل

محترمہ اُمّ کلثوم خان

ربیع الاوّل اسلامی کیلنڈر کا تیسرا مہینہ ہے۔ اس کے لغوی معنی ''پہلی بہار'' کے ہیں۔ گلشن کائنات میں اصل فصل بہار حضور ﷺ سرور کائنات ہی کے دم قدم سے آئی۔ آپ ﷺ اس ماہ مبارک کے نویں روز اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے جو تاریخ عالم کا اہم ترین واقعہ ہے۔ کائنات پر اللہ رب العزت کی یہ رحمت واحسان ۱ عام الفیل بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بروز پیر صبح صادق کے وقت ہوا۔

آفتاب رسالت کا طلوع اور بشارت وحی بھی ۹ ربیع الاوّل ۴۱ عام الفیل بمطابق ۹ فروری ۶۱۰ کو ہوئی۔ آپؐ نے مدینہ المنورہ میں مسجد قبا کی بنیاد اسی ماہ کی آٹھ تاریخ ۱ھ بمطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ کو اپنے دست مبارک سے رکھی۔ مسجد نبوی شریف کی تاسیس مسجد قبا کا سنگ بنیاد رکھے جانے کے گیارہ روز بعد اس ماہ عظیم کی ۱۹ تاریخ یعنی اکتوبر ۶۲۲ میں ہوئی اور اذان کی باقاعدہ ابتدا بھی اس روز سے ہوگئی۔ حضور سرور کائنات نے اس ماہ بابرکت میں داعی اجل کو لبیک کہا اور یوں حضرت صدیق اکبرؓ اسی ماہ کی ۱۲ تاریخ کو مسند خلافت رسولؐ پر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت سلمانؓ فارسی، حضرت امام حسنؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سمیت کئی ایک مکرم صحابہ اور بہت سی بزرگ ہستیاں اسی ماہ مبارک میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔

تاہم اس ماہ بہاراں کی سب سے بڑی شان بہارِ دو جہاں، سرور کونین، تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد مبارک ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ کے حضور آپ ﷺ کی آمد مبارک کے حوالے سے سجدۂ شکر ادا کریں۔ اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کے درجات کی بلندی کے لئے خوب صدقہ خیرات دیں اور غریب بہن بھائیوں کو عید میلاد کی خوشیوں میں شامل کریں۔

تلاوت کلام پاک کثرت سے کریں اور اس کا ایصال ثواب حضور سرور کائنات ﷺ، آپ ﷺ کے اہل ایمان آباؤ اجداد، آپ ﷺ کے اہل بیت، ازواج مطہرات، آپ ﷺ کے صحابہ کبار، شہداء اسلام اور آپ ﷺ کا اتباع کرنے والے اولیائے اکرام، صوفیائے عظام، صدیقین، صالحین اور مبلغین اسلام کی ارواح مقدسہ کو پہنچائیں۔

توبہ استغفار کثرت سے پڑھیں کہ دعائے مغفرت اللہ کی رحمتوں کے حصول کی کنجی ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ پر کثرت سے درود شریف بھیجیں۔ سلام بھیجنے والوں پر ہی سلامتی لوٹائی جاتی ہے۔ سورۂ کوثر تواتر سے پڑھیں۔ تہجد اور قیام اللیل کے نوافل ادا کریں اور حضور اقدس ﷺ کی روح مبارکہ کو ایصال ثواب پہنچائیں درود شریف میں سب سے اچھا اور جامع درود شریف درود ابراہیمی یعنی نماز میں پڑھا جانے والا درود شریف ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿۲﴾
إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿۳﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ
إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ
إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ
إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿۶﴾ غَيْرِ
الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

سیرت طیبہ ﷺ کا پیغام

حکیم محمد سعید

☆ حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ انسان کی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے دائمی مشعل راہ اور کامل ترین نمونہ عمل ہے۔ اگر حضورؐ کے اسوہ حسنہ کا مینار نور سامنے نہ ہوتا تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کا سلیقہ اور قرینہ اور راہ حق کا ادراک کبھی نہ ہوتا۔ توحید کی وہ حقیقت بھی عیاں نہ ہوتی جس نے عالم انسانی کو وحدت، اخوت اور محبت کا جذبہ بے مثال عطا کیا اور عداوت ونفرت کے شعلہ زاروں میں مہر و الفت کا چمن کھلا دیا۔

یہ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہی کی سیرت طیبہ کا فیضان ہے کہ افراد کی ساری قوتیں ایمان کے نقطہ پرکار پر جمع ہو کر تخریب کے بجائے تعمیر کی راہ پر لگ گئیں۔ اور وہ لوگ جو بغض وعناد کی آگ بھڑکاتے تھے۔ اور اسی سہارے زندگی گزارتے تھے۔ وہ امن وآشتی کے نقیب اور سارے عالم کے لئے سکون وسلامتی، کے داعی بن گئے۔

انبیائے کرامؑ، حضور اکرمؐ سے پہلے بھی آتے رہے تھے اور اس طرح بندگی رب کا پیغام انسانوں کو ہمیشہ پہنچتا رہا۔ مگر دنیا کے لئے تمام شعبہ ہائے زندگی کو محیط عالم گیر اور دائمی نمونہ عمل آپؐ ہی کی سیرت طیبہ کو کہا گیا۔ اس لئے کہ نبوت اور رسالت کا سلسلہ آپؐ کی ذات اقدس پر تمام ہوا اور احکام الٰہی کی عملی تصویر نقوش سیرت کے ذریعے سے منزل تکمیل تک پہنچادی گئی۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت پیغمبرانہ صفات کی جامعیت اور محاسن اخلاق کے سارے دل کش نمونے سیرت طیبہ میں شان انفرادیت کے ساتھ موجود ہیں۔ مگر جو چیز مرکزی نکتے اور عطر سیرت کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ اللہ کے بندوں پر آپؐ کی شفقت ورحمت انسانوں سے آپؐ کی محبت اور آپ کا وہ خلق عظیم ہے۔ جو مہر عالم تاب بن کر سب کے سروں پر ضوفشاں نظر آتا ہے۔ آپؐ نے پتھر جیسے دلوں کو اپنی شفقت ومحبت ہی سے ایسا گداز عطا کیا کہ وہ ساری انسانیت کے غم خوار بن گئے۔ اگر آپؐ کا رحم وکرم تمام عالم کے لئے عام نہ ہوتا تو آپؐ ہر کس وناکس کے مرکز دل ونگاہ نہ ہوتے۔ قرآن مجید میں ہے۔

ترجمہ: (''اے نبیؐ! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تندخو اور تنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کردو اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو'')

کاشانہ اقدس میں مہینوں چولہا نہ جلتا، مگر اللہ کے بندوں کی لاچاری اور فاقہ کشی آپؐ کو گوارا نہ تھی۔ بخاری کی روایت ہے کہ ایک بھوکا شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت خانہ نبویؐ میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: جو شخص آج کی رات اس شخص کو اپنا مہمان بنائے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا''۔ ایک انصاری بہ صد شوق اس کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے پوچھا'' کچھ گھر میں ہے''؟ بیوی نے کہا۔'' صرف بچوں کا کھانا ہے''۔ انہوں نے کہا۔'' بچوں کو سلادو اور چراغ بجھادو۔ ہم دونوں رات کو بھوکے رہیں گے۔ ہم مہمان پر یہ ظاہر کریں گے کہ ہم بھی اس کے ساتھ کھا رہے ہیں''۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو جب وہ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا۔'' اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے ایثار اور تمہاری مہمان نوازی اور حسن سلوک کی خبر دی اور تم سے اپنی خوشنودی کا اظہار قرآن میں فرمایا''۔

کسی کو گرفتار مصیبت دیکھ کر آپ کا دریائے رحمت جوش میں آجاتا۔ آپ فوراً آگے بڑھتے اور اللہ کے بندے کو جب تک اس مصیبت سے نجات نہ دلادیتے آپ کو سکون نہ آتا۔ ہر مصیبت زدہ اور مظلوم انسان اپنے لئے چارہ سازی کی درخواست اس یقین کے ساتھ کرتا تھا کہ آپ اس پر ضرور کرم فرمائیں گے۔

ایک صحابیؓ نے جنگ سے واپس آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نہایت ہمت وشجاعت کے ساتھ لڑ رہا تھا کہ اچانک میرے سامنے ایک کافر آیا اور اس نے لاالہٰ الا اللہ کہا، مگر میں نے اسے مار ڈالا۔ آپؐ نے فرمایا۔'' جب اس نے کلمہ پڑھ لیا تو پھر کیوں مارا؟'' انہوں نے عرض کیا۔'' حضورؐ مجھ کو یہ خیال ہوا کہ شاید جان کے ڈر سے اس نے کلمہ پڑھا''۔ آپؐ نے سخت برہمی کے عالم میں فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ وہ صحابیؓ کہتے ہیں کہ جب بھی آپؐ کی اس برہمی کا تصور کرتا ہوں میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

انسان تو بہرحال اللہ کا خلیفہ ہونیکی وجہ سے موجودات میں ایک قیمتی سرمائے کی حیثیت رکھتا ہے لیکن انسان کی فلاح وبہبود اور اس کی حرمت وکرامت کا جو شعور آپؐ نے عطا کیا وہ آپؐ کی سیرت طیبہ کا گراں قدر عطیہ ہے۔ آپ ﷺ کی شفقت ورحمت کا امتیاز تو یہ ہے کہ حیوانوں پر بھی رحم کی تلقین فرمائی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص سفر پر تھا۔ راستے میں اس کو سخت پیاس لگی۔ سامنے کنواں تھا۔ وہ اس میں اتر گیا۔ جب باہر آیا تو دیکھا کہ کتا پیاس کی شدت سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس نے خیال کیا کہ پیاس سے جو میرا حال ہورہا ہے۔ وہ اس کا بھی ہے۔ وہ پھر کنویں میں اترا۔ اپنے چمڑے کے موزے پانی سے بھر کر اس کو دانتوں سے دبایا اور کنویں سے نکل کر اس کتے کو پانی پلایا۔ اللہ

تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا اور اس کی مغفرت فرمادی۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ ''یارسول ﷺ کیا جانوروں کے معاملے میں اللہ نے اجر رکھا ہے''؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ہر اس مخلوق کے ساتھ سلوک کرنے میں اجر ہے جو جان رکھتی ہے۔

جس ذات اقدس کی طرف سے جانداروں پر رحم کی ایسی تاکید کی گئی ہو اس کی طرف سے انسان اور اس کے سارے طبقات کے لئے لطف وکرم اور احسان وعنایت کا کیسا اہتمام کیا گیا ہوگا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی شفقت ومحبت کے یہی ابدی نقوش اسلامی معاشرے کے افراد کے مابین اخوت اور دائمی محبت کے لئے چراغ راہ بنے۔ آپ ﷺ نے جس معاشرے کی تشکیل فرمائی اس کی اساسی قدر محبت اور اخوت ہی ہے۔ دلوں کی نرمی، اخلاق کی پاکیزگی، دوسروں کے کام آنے کا جذبہ، مصیبت، غربت، جہالت اور باہمی ربط واتحاد، یہ سب اسلامی معاشرے کے وہ خدوخال ہیں جو اس کے لئے مایہ افتخار وامتیاز ہیں۔ اور نجات کا ذریعہ ہیں۔

اس محبت واخوت کی حقیقت آپ ﷺ نے اس طرح ذہن نشین کرائی کہ یہ صفات کمال ایمان کی علامت بن گئیں۔ بخاری کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

''کامل ترین ایمان یہ ہے کہ تم دوسرے لوگوں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو''۔

یہ صرف ایک اخلاقی نکتہ نہیں ہے بلکہ اجتماعی زندگی کی فلاح وسعادت کے تمام رموز اس میں پنہاں ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک انسان کے لئے اپنی خوش حالی، کامیابی، فلاح وترقی، عزت ومحبت اور راحت وعافیت کی تمنا کرنا اس کی سرشت میں داخل ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے باہمی محبت کو شرط ایمان قرار دیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے اس فطری تقاضے کو ساری مخلوق تک پھیلا کر اسے اسلام کے نظام اخلاق کا ایک اصول قرار دیا۔ وہ اصول یہ ہے کہ آدمی جو کچھ اپنے لئے پسند کرے اسے دوسروں کے لئے بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ اور جب تک تمہارے دلوں میں باہمی محبت نہ ہوگی اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا''۔

حضور ﷺ نے مسلمانوں کی باہمی محبت کو معاشرے کی اساسی قدر بنا کر ان تمام چیزوں سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی جن سے ربط واتحاد میں کمی آتی ہے۔ اور اخوت کا رشتہ کمزور ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی مسلمان کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ کسی قسم کی کوئی زیادتی کرے یا اس کو برا کہے''۔ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر کے برابر ہے''۔

انفرادی اور اجتماعی عزت ووقار کے تحفظ کے لئے آپ ﷺ نے اتہام سازی اور بہتان طرازی کا دروزاہ بند فرمایا۔ دوسرے کی خامیوں کے تجسس اور عیب جوئی کی ممانعت فرمائی۔ غیبت کو گناہ عظیم قرار دیا۔ بدگمانی کرنے کی مذمت فرمائی۔ ایک دوسرے کے ساتھ بغض وحسد اور کینہ وعداوت رکھنے سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی۔ انسانوں کے نام آپ ﷺ کا اہم پیغام یہ تھا:

''اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ''۔

آپ ﷺ نے ایک ایک کر کے وہ تمام دروازے بند کردیئے جن سے باہمی محبت کی دیواروں میں رخنے پڑتے ہیں۔ آپ ﷺ کی نگاہ معجزہ نما سے انسانوں کی وہ کمزوریاں پوشیدہ نہ تھیں جن سے دلوں میں فاصلے بڑھتے۔ اور نفرت کے شعلے بھڑکتے ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے غرور وتکبر، نفاق، فریب اور کسی کو حقیر سمجھنے کی سخت ممانعت فرمائی۔ آپ ﷺ نے ہر طرح کی عصبیت سے بچنے کی تاکید فرمائی اور آپ ﷺ نے بتایا کہ ظلم وزیادتی کے کاموں میں اپنی قوم کی اعانت کرنا بھی عصبیت میں داخل ہے۔ باہمی محبت کے جذبے کو محرک عامل بنانے کے لئے غصے کو پی جانے اور لوگوں کے ساتھ عفو ودرگزر سے کام لینے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے اس کے ساتھ حلم سے پیش آؤ، جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو۔ جو تمہیں محروم کرنیکی کوشش کرے اسے دو، جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس کے ساتھ تعلق قائم رکھو''۔ انہی اصولوں کی بنا پر تعاون، محبت اور یکجہتی کی فضا قائم ہوتی ہے۔

اور ان سے ایسی اخوت فروغ پاتی ہے جس میں ہر دل ایک دوسرے کے لئے بے قرار، ایک دوسرے کی حاجت روائی کے لئے مستعد، ایک دوسرے کے رنج وغم میں برابر کا شریک اور ہر دل ایک دوسرے کے لئے ہمدردی اور دل سوزی سے پُر ہوتا ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہو کر تمام مسلمان جسدِ واحد بن جاتے ہیں اور کسی ایک کی تکلیف پورے معاشرے کی تکلیف بن جاتی ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے کی اعانت کو اپنے ایمان کا تقاضا سمجھتا ہے۔

اخوت اور محبت کا یہی بے مثل جذبہ تھا جو نبی اکرم ﷺ نے اپنے عمل اور تربیت سے لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا تھا۔ کوئی کسی کی محرومی دیکھ سکتا تھا نہ کسی کی تکلیف گوارا کرسکتا تھا۔ ہر شخص ایک دوسرے کے لئے سینہ سپر ہوجاتا تھا۔ یہ نبی رحمت ﷺ کی تربیت کا اعجاز تھا۔

آپ ﷺ ہر موقع پر اس بات کی اہمیت کا احساس دلاتے تھے کہ جب تک اخلاق ومعاملات کی یہ خوبی پیدا نہ ہوجائے۔ بندگی منزل کمال تک نہیں پہنچ سکتی۔

حضرت اسامہ بن شریک سے روایت ہے۔ کہ

تحویلِ قبلہ

رجب (بروایت دیگر شعبان) ۲ ہجری میں تحویل قبلہ یعنی قبلے کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا۔ اس سے پہلے مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ بیت المقدس یہودیوں کا بھی قبلہ تھا اس لیے انہیں مسلمانوں کا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بہت اچھا معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ یہ لوگ اہل علم، متمدن اور دولت مند تھے اس لیے خدشہ تھا کہ کہیں اہل ایمان احساس کمتری میں نہ مبتلا ہو جائیں اور وہ بیت المقدس کو کعبہ یا مسجد حرام سے افضل نہ سمجھنے لگیں۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ کی خواہش تھی کہ مسلمان کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کریں چنانچہ آپؐ بار بار اپنے چہرہ مبارک کو آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اس انتظار اور خواہش میں کہ کب اللہ تعالیٰ تحویل قبلہ کا حکم نازل کرتا ہے۔ آخر رجب یا شعبان ۲ھ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی خواہش پوری کر دی اور یہ حکم نازل فرمایا:

ترجمہ: ''(اے رسول) یہ تمہارے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں، لو ہم اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں، جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو، اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو اور بے شک اہل کتاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ (قبلے کی تبدیلی کا) یہ حکم ان کے رب ہی کی طرف سے ہے اور برحق ہے مگر اس کے باوجود جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے''۔

تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے کے فوراً بعد اہل ایمان نے بیت المقدس کے بجائے مسجد حرام (کعبہ شریف) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا۔ مسجد نبویؐ اور مسجد قباء کو کعبے کے رخ کی جانب بدل دیا گیا یعنی ان کی محراب دوسری جانب کر دی گئی۔ دوسرے مقامات تک یہ حکم پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے بھی اپنی مسجدوں کے رخ کعبہ کی جانب کر لیے۔

قبلہ کی تبدیلی سے یہودیوں کے احساس برتری پر کاری ضرب لگی جس سے وہ بلبلا اٹھے اور مسلمانوں کے خلاف الٹی سیدھی باتیں کرنے لگے۔ اس طرح منافقین کا نفاق بھی آشکار ا ہو گیا کیونکہ وہ بھی یہودیوں کی طرح تحویل قبلہ کے بارے میں اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر ان سب کا منہ بند کر دیا:۔

ترجمہ: ''نادان لوگ ضرور کہیں گے: انہیں کیا ہوا کہ یہ پہلے جس قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اس سے یکا یک پھر گئے (اے نبی) ان سے کہو: مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے''۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی واضح فرما دی کہ قبل ازیں مسلمانوں کے لیے بیت المقدس کو یہ دیکھنے کے لیے قبلہ مقرر کیا گیا تھا کہ کون رسولؐ کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ عربوں کے لیے کعبے کے علاوہ کسی دوسرے شہر کو قبلہ بنانا ان کی قوم پرستی اور وطنی و نسلی تفاخر پر ناقابل برداشت ضرب تھی۔ اس کو صرف وہ لوگ تسلیم کر سکتے تھے جو سچے مسلمان ہوں اور اللہ کے رسول کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دینے والے ہوں۔ (البقرۃ آیۃ ۱۴۳)

ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حج کیلئے آئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ کوئی پوچھ رہا ہے کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے یا فلاں کام پہلے کر لیا اور فلاں بعد میں۔ آپ ﷺ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ حرج تو اس بات میں ہے کہ کسی مسلمان بھائی پر ظلم کیا جائے اور اس کی آبرو پر حملہ کیا جائے۔ ایسا شخص یقیناً ہلاک و برباد ہوگا۔

اس تعلیم کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے محبت اور اخوت کو اپنا شعار۔ بنا لیا تھا اور وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے نام پر کسی طرح کی قربانی سے کبھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ لوگوں کے حقوق کے سلسلے میں ہمیشہ اپنا احتساب کرتے رہتے تھے۔

ان گزارشات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے شفقت و محبت نے انسانی معاشرے کو باہمی محبت اور اخوت کے جذبے کی کیسی سرشاری عطا کی تھی۔ انسانوں کو باہم لطف، نرمی اور الفت وایثار کے ساتھ پیش آنے کی کیسی مکمل تعلیم دی تھی، اور اپنی سیرت طیبہ کی عملی مثالوں سے باہمی ترحم اور ایثار کی اعلیٰ اجتماعی قدروں کو کیسا فروغ عطا کیا تھا۔ میں ہمدردی وایثار کو سیرت نبوی ﷺ کا سب سے بڑا عطیہ اور سب سے بڑا پیغام سمجھتا ہوں۔ آج دنیا میں اگر یہی قدریں ہماری زندگی اور ہمارے فکر و عمل میں اپنا مقام حاصل کر لیں تو ہمارے معاشرے سے ظلم و زیادتی، نفرت و عداوت، بے رحمی اور سنگدلی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ ہماری صفوں کا انتشار اتحاد سے بدل سکتا ہے۔ اور سارا معاشرہ امن کا گہوارا بن سکتا ہے۔ ❁

عبادتِ نبوی ﷺ

طالب الہاشمی

☆ عبادت کا اصل مادہ ''عبد'' (ع ب د) ہے اور عربی میں اس کے معنی انقیاد و اطاعت کے ہیں۔ فی الحقیقت عبد کا لفظ ''آزاد'' کے مقابلے میں غلام اور مملوک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان کی نہایت مستند لغت ''لسان العرب'' کی تشریحات کے مطابق عبادت کے ایک معنی تو پرستش کے ہیں اور دوسرے معنی عاجزانہ اطاعت اور برضاو رغبت فرمانبرداری۔

عبادت غیر اللہ کی ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی صریحاً نافرمانی ہے۔ اسے بلا تامل شرک اور کفر کہا جاسکتا ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے معبود حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ذات واحد عبادت کے لائق ہے۔ اس نے جن وانس کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں جیسا کہ سورۃ ''الذریت'' میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: اور میں نے جن وانس کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

لغوی تشریحات کے مطابق عبادت کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی صرف پرستش ہی نہیں بلکہ اس کے تمام احکام کی بے چون و چرا اطاعت، اس کے قانون شریعت کی برضا و رغبت پیروی اور اس کے امر و نہی کی دل وجان سے پیروی بھی شامل ہے۔ گویا ایک سچے مسلمان یا مرد مومن کی ساری زندگی عبادت میں گزرتی ہے۔ یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے علاوہ اس کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، رزق حلال کے لیے بھاگنا دوڑنا، حقوق العباد پورے کرنا، جہاد فی سبیل اللہ، دعوت و تبلیغ، غرض اس کا ہر قول و فعل (جو احکام الٰہی کے مطابق ہوگا) عبادت ہی میں داخل ہے۔ لیکن جو ''عبادت'' دین کی خاص اصطلاح ہے اس سے مراد وہ مخصوص تعظیمی اور تعبدی اعمال ہیں جو کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے جذبہ عبدیت اور عجز وتذلل کے اظہار کے لیے کرتا ہے اور جن کی شریعت میں تفصیل کے ساتھ وضاحت کردی گئی ہے یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر الٰہی ...... یہاں ہم رسول اکرم ﷺ کی اسی عبادت کا ذکر کریں گے۔

نماز

حضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ آپ کو جتنا شغف عبادت الٰہی سے تھا اور کسی چیز سے نہیں تھا۔ اس عبادت میں سرفہرست نماز تھی۔ صحیحین میں بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ دینی اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے۔ حضور ﷺ کو جس طرح بارگاہ صمدیت میں درجہ محبوبیت حاصل تھا اسی طرح آپؐ کی حق تعالیٰ سے محبت کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی چنانچہ آپؐ سب لوگوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور اس کا ذکر و شکر کرنے والے تھے۔ نماز چونکہ تمام عبادات میں اظہار عبدیت کے اعتبار سے خاص امتیاز رکھتی ہے۔ اس لیے آپؐ کو اس سے قلبی لگاؤ تھا اور آپؐ اس میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین پاتے تھے (حدیث نبوی) وقتاً فوقتاً نماز کا وقت آنے پر آپ حضرت بلالؓ سے فرمایا کرتے تھے:

''اے بلال! اٹھو اور نماز شروع کر کے میرے دل کو راحت پہنچاؤ''۔

حضور ﷺ نے کفار کی سختیوں اور جفا کاریوں کے مقابلے میں ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لیا اور ان کو کبھی بددعا نہ دی لیکن غزوہ خندق میں ایک دن جب دشمنوں نے آپؐ کو نماز عصر پڑھنے کی مہلت نہ دی اور یوں یہ نماز قضا ہوگئی ..... تو آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آگئے۔

''ان لوگوں نے ہمیں عصر کی نماز پڑھنے دی اللہ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے''۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

آنحضور ﷺ معمولاً (اہتمام اور پابندی کے ساتھ) دن رات میں چالیس رکعت نماز پڑھتے تھے۔ ان میں سترہ رکعت فرائض پنجگانہ کے علاوہ دس یا بارہ رواتب (یعنی موکدہ سنتیں) اور تہجد مع وتر کی گیارہ یا تیرہ رکعت شامل ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

فجر سے پہلے دو رکعت، ظہر سے پہلے چار رکعت اور فرضوں کے بعد دو رکعت۔ مغرب کے بعد دو رکعت عشاء کے بعد دو رکعت اور تہجد مع وتر گیارہ یا تیرہ رکعت (دونوں ثابت ہیں)۔ ان کے علاوہ صلوٰۃ الاوابین (مغرب کے فرض اور سنتوں کے بعد کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں)۔ اشراق (سورج نکلنے کے فوراً بعد دو رکعت) چاشت (سورج کے خوب بلند ہو جانے کے بعد چار، آٹھ یا بارہ رکعتیں) تحیۃ المسجد (مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا بھی متعدد احادیث سے ثابت ہے)۔

دن کے اوقات میں حضور ﷺ نفل نمازیں زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اس کے دو سبب تھے، ایک تو یہ کہ منصب رسالت اور سربراہ مملکت کے فرائض کی ادائیگی میں آپ کا کافی وقت صرف ہو جاتا تھا۔ ذرا ان فرائض کا اندازہ کیجئے کہ آپؐ دعوت وتبلیغ اور ارشاد و ہدایت میں مشغول ہیں، ملک کے داخلی اور خارجی معاملات سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔ مقدمات سن رہے ہیں، مجرموں اور خطا کاروں پر حد جاری فرما رہے ہیں، بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوت حق کے خطوط بھیج رہے ہیں اور باہر سے آنے والے وفود سے ملاقاتیں کر رہے ہیں اور ان کی مہمانداری کر رہے ہیں، میدان جہاد میں فوجوں کی قیادت فرما رہے ہیں یا مجاہدین کی کسی جماعت کو اپنے کسی

جاں نثار کی قیادت میں مناسب ہدایات دے کر کسی مہم (سریہ) پر روانہ فرما رہے ہیں ۔ مریضوں کی عیادت کر رہے ہیں ۔ اپنے وفات پا جانے والے صحابہؓ (اور صحابیاتؓ) کے جنازوں میں شریک ہو رہے ہیں اور ان کے پسماندگان کے ساتھ تعزیت کر رہے ہیں ، بازار میں یہ دیکھنے کے لیے گشت کر رہے ہیں کہ کوئی دکاندار ناپ تول میں کمی تو نہیں کر رہا یا کوئی ناقص چیز اس کا عیب ظاہر کیے بغیر تو نہیں بیچ رہا وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اتنی مصروفیات سے فرض نمازوں کے علاوہ دوسری نمازوں (نوافل) کے لیے بہت کم وقت بچتا ہوگا۔

دوسرا سبب بظاہر یہ تھا کہ اگر آپؐ دن کے اوقات کا بڑا حصہ نوافل پڑھنے میں صرف کرتے تو آپؐ کی محبت اور تقلید میں صحابہ کرام بھی ایسا ہی کرتے لیکن آپؐ نہیں چاہتے تھے کہ امت پر زیادہ بوجھ پڑ جائے یا ان نوافل کا پڑھنا امت پر فرض کر دیا جائے۔

حضور ﷺ کی رات کی نماز اکثر بہت طویل ہوتی تھی۔ عام طور پر نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ سو جاتے تھے۔ کبھی آپؐ کافی آرام فرما کر تہجد کے لیے اٹھتے ، کبھی آدھی رات کے بعد اٹھتے ، کبھی صرف آخری تہائی رات ہی میں تہجد پڑھتے ، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپؐ رات بھر نماز میں کھڑے رہتے اور کبھی کبھی ایسا بھی کرتے کہ اٹھے ، دو رکعتیں پڑھیں پھر کچھ دیر کے لیے سو گئے پھر اٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں ، اسی طرح بار بار سوئے اور بار بار اٹھ کر نماز پڑھی یہاں تک کہ صبح ہو گئی ۔ یہ حضور کی نماز شب کے بارے میں مختلف روایتوں کا خلاصہ ہے۔ محدثین نے ان روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ حضور نے مختلف اوقات میں ان طریقوں میں سے ہر ایک طریقہ سے نماز پڑھی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۔ زاد المعاد ۔ شرح مواہب زرقانی ، سیرۃ النبیؐ)

آنحضور ﷺ کی نماز تہجد بالعموم بہت طویل ہوا کرتی تھی ۔ بعض اوقات حضور حق میں مسلسل اور طویل قیام سے آپؐ کے دونوں پائے مبارک پر ورم آ جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ "رسول اللہ! آپؐ کی مغفرت تو اللہ کر چکا ہے۔ آپ یہ مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟"

آپؐ نے فرمایا:

ترجمہ: یعنی کیا میں عبد شکور نہ بنوں (بالفاظ دیگر کیا میں اپنے پروردگار کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟) (مشکوٰۃ المصابیح ، جمع الفوائد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک رات کو میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے لگا۔ آپؐ نے اتنا طویل قیام کیا کہ میرے لیے آپ کا ساتھ دینا مشکل ہو گیا اور میرے دل میں ایک قبیح خیال آنے لگا۔ راوی سے کسی نے پوچھا ، وہ قبیح خیال کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا ، خیال یہ تھا کہ میں بیٹھ جاؤں اور رسول اللہ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دوں۔ (صحیحین)

حضرت زید بن خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ آج رات کو میں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھوں گا۔ (علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبیؐ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ غالباً یہ کسی سفر کا واقعہ ہے) نماز کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے ۔ پہلے دو رکعتیں ہلکی ادا کیں اور پھر دو رکعتیں بہت ہی طویل اور بہت دیر تک پڑھیں پھر دو دو رکعتیں کر کے آٹھ رکعتیں بتدریج چھوٹی پڑھیں اور سب کے آخر میں نماز وتر پڑھی ۔ (سیرۃ النبیؐ بحوالہ صحیح مسلم ، موطا ، ابوداؤد)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی پوری پوری رات نماز پڑھتے رہتے ۔ نماز کی رکعتیں اتنی طویل ہوتیں کہ آپؐ ان میں سورۃ بقرہ ، سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء پوری پوری پڑھتے ۔ دوران قرات خوف اور خشیت کی آیت آتی تو اللہ سے دعا مانگتے اور پناہ طلب کرتے ، کوئی رحمت اور بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے ۔ قرات کرتے ہوئے آپؐ کی آواز اتنی بلند ہوتی کہ دور دور تک لوگ اپنے بستروں میں پڑے ہوئے اسے سن لیتے ۔ (سیرۃ النبیؐ بحوالہ مسند احمد و ابن ماجہ)

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شب مجھ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا ۔ آپؐ نے چار رکعتوں میں سورۃ بقرہ ، سورۃ آل عمران ، سورۃ النساء ، اور سورۃ المائدہ (یا سورۃ الانعام) پڑھیں گویا تقریباً چھ سیپارے پڑھے۔ (ابوداؤد)

کبھی جب گھر کے لوگ سو جاتے ، آپؐ خاموشی کے ساتھ بستر سے اٹھتے اور عبادت میں مصروف ہو جاتے ۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر پر نہ پایا ، میں نے خیال کیا شاید آپؐ کسی اور بیوی کے حجرے میں تشریف لے گئے ہیں ۔ اندھیرے میں ادھر ادھر ٹٹولا تو اچانک میرے ہاتھ آپؐ کے قدموں پر پڑے ۔ آپ سجدے میں تھے اور دونوں پاؤں کھڑے تھے ۔ اس وقت آپؐ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ " اے اللہ! میں تیری رضامندی کے واسطہ سے ، تیری ناراضی سے اور تیرے عفو و درگزر کے واسطہ سے تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری رحمت کے واسطہ سے تیرے غضب سے پناہ مانگتا ہوں ، میں تیری تعریف کرنے سے عاجز ہوں تو ایسی عظیم ذات ہے جیسا کہ تو نے خود ہی ثنا بیان کی ہے"۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ دیکھ کر مجھ کو اپنے گمان پر ندامت ہوئی اور دل میں کہا ، سبحان اللہ! ہم کس گمان میں ہیں اور آپؐ کس حال میں ہیں ۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

خود اللہ نے آنحضور ﷺ کی رات کی عبادت کا ذکر قرآن حکیم میں یوں فرمایا ہے۔

ترجمہ: (اے نبی) تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور

کبھی ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو۔

حضور ﷺ نے تہجد کی نماز اپنے اوپر فرض کر لی تھی اور اس کا کبھی ناغہ نہ کرتے تھے لیکن امت کے لیے آپ کا اتباع کرنا بہت مشکل تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور اس نماز کو نفل قرار دیا، ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ سہولت دی کہ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہیں پڑھ لیا کریں۔ جیسا کہ آگے چل کر ارشاد ہوا ہے:

ترجمہ: (اے نبی) تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے۔ اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کا حساب رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اوقات کا ٹھیک شمار نہیں کر سکتے لہٰذا اس نے تم پر مہربانی فرمائی، اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ اسے معلوم ہے کہ تم میں کچھ مریض ہوں گے، کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پس جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو۔

اس حکم کے نزول کے بعد تہجد کی نماز میں تلاوت اور قیام میں تخفیف ہوگئی تاہم حبیب کبریا ﷺ کا معمول قدرے تخفیف کے ساتھ پہلے جیسا ہی رہا کیونکہ اپنے رب سے آپ کی محبت اور آپ کا تعلق غیر معمولی نوعیت کا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے کوئی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کی باتیں کرتا ہے۔ (صحیحین) ظاہر ہے۔ کہ جب حضور نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے پیارے رب سے اپنے دل کی باتیں کرنے میں آپؐ کو جو لذت اور حلاوت ملتی اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ اسی لیے آپؐ کے معمول میں بہت کم فرق پڑا۔

نماز میں حضور ﷺ کے خشوع و خضوع اور خشیت کی یہ کیفیت ہوتی کہ آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور آپؐ کے سینہ مبارک سے ہانڈی کے ابلنے یا چکی کے چلنے کی سی آواز نکلتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن الشخیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ اس وقت آپؐ کے سینہ مبارک سے چکی چلنے یا ہانڈی کے ابلنے کی سی آواز نکل رہی تھی اور یہ آپؐ کے گریہ (رونے) کی آواز تھی۔ (جامع ترمذی وسنن ابی داؤد)

نماز میں اکثر آپؐ پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رات کی نماز میں کسی آیت پر پہنچ کر آپؐ پر ایسا اثر ہوتا کہ ساری رات (نماز فجر تک) وہی آیت بار بار پڑھتے گزار دی۔ حضرت غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات کی نماز میں یہ آیت پڑھی:

ترجمہ: (اگر تو انہیں سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف فرما دے تو تو غالب اور دانا ہے)۔

یہ آیت پڑھتے ہی آپؐ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی اور آپؐ صبح تک نماز میں یہی آیت پڑھتے رہے۔ (مسند احمد، مسند بزار، ابن ماجہ)

رمضان المبارک کے مہینے میں حضور کی عبادت کی کوئی حد و نہایت نہ رہتی۔ آپؐ معمول سے زیادہ وقت نماز اور ذکر الٰہی گزارتے۔ رمضان کے آخری عشرے میں عموماً اعتکاف میں بیٹھ جاتے اور رات بھر عبادت کرتے رہتے۔

روزہ

انبیاء علیہم السلام اور دوسرے صالحین امت نے تقلیل غذا اور ترک غذا (روزہ) کو روحانیت کی تکمیل کے لیے لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ رحمت عالم ﷺ غذا کے معاملے میں ہمیشہ اعتدال سے کام لیتے تھے اور لوگوں کو بھی رکھ رکھ کر کھانے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ روزے آپؐ کثرت سے رکھا کرتے تھے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ مکی زندگی میں آپؐ متواتر کئی کئی مہینوں تک روزہ رکھتے تھے لیکن مدینہ آ کر روزوں کے معاملے میں آپ کا طریقہ بدل گیا۔ ماہ رمضان کے روزے ۲ ہجری میں مسلمانوں پر فرض ہوئے۔ حضور ﷺ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے بعد دوسرے مہینوں میں بکثرت نفلی روزے رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ کسی مہینے میں اتنے لگاتار روزے رکھتے کہ ہمارا خیال ہوتا کہ اب آپ روزہ نہیں چھوڑیں گے اور کسی مہینے میں آپؐ روزے چھوڑ دیتے۔ رمضان المبارک کے سوا آپؐ کو رمضان کے سوا ماہ شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ شعبان کے زیادہ دنوں میں آپؐ روزہ سے ہوتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ہر مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو آپ اکثر روزہ رکھتے تھے۔ ان دنوں کو ایام بیض کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام بیض کے روزے سفر و حضر میں بھی نہیں چھوڑے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیر اور جمعرات کے دن اکثر روزہ رکھتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ ہر مہینے میں تین دن، دو پیر اور ایک جمعرات کو معمولاً روزہ رکھتے تھے۔ (سیرۃ النبیؐ)

بعض روایتوں میں ہے کہ آپؐ ہر جمعہ کو بھی روزہ رکھتے تھے لیکن آپ فرماتے تھے کہ جو شخص جمعہ کے دن روزہ رکھے اسے چاہیے کہ وہ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

آنحضور ﷺ معمولاً عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھا کرتے تھے اور صحابہؓ کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور اس روزہ کے رکھنے کا لوگوں سے عہد لیتے مگر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپؐ نے ہم کو نہ اس کا حکم دیا اور نہ اس روزہ کے رکھنے سے ہمیں روکا اور نہ اس کے بارے میں ہم سے کوئی عہد

لیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسلم)

سرور عالم ﷺ عید الفطر کے بعد شوال کی دوسری تاریخ تک چھ روزے بالالتزام رکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے اس نے گویا تمام عمر کے روزے رکھے۔ (صحیح مسلم)

اتفاقی روزے ان روزوں کے علاوہ تھے یعنی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آپ گھر تشریف لاتے تو کھانے کی کوئی چیز موجود نہ ہوتی تھی۔ اس پر آپؐ روزہ کی نیت فرما لیتے۔ (سنن ابی داؤد)

حج

قیام مکہ کے زمانے میں آنحضور ﷺ نے جو حج کیے ان کی صحیح تعداد محقق نہیں ہے۔ بعض قیاس ہے کہ قریش معمولاً ہر سال حج کرتے تھے اس لیے آپؐ بھی ہر سال حج کرتے ہوں گے۔ جامع ترمذی میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانے میں آپؐ نے دو حج کیے تھے۔ ابن ماجہ اور امام حاکم نے کہا ہے کہ آپؐ نے قیام مکہ کے دوران میں تین حج کیے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں آپؐ نے ۱۰ ہجری میں صرف ایک حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔

حج کے علاوہ آپؐ نے ہجرت کے بعد چار عمرے بھی ادا کیے۔ (سیرۃ النبیؐ)

زکوٰۃ

رحمت عالم ﷺ جود وسخا اور ایثار وکرم کے بحر بے کنار تھے جس سے ہر حاجت مند بقدر ظرف سیراب ہوتا تھا۔ بعثت سے پہلے بھی آپ کی ذات گرامی یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور حاجت مندوں کے لیے ایسا چشمہ فیض تھی جس سے وہ خوب خوب سیراب ہوتے رہتے تھے اور بعثت کے بعد تو آپؐ کے ایثار وکرم اور فیاضی کی کوئی حد ہی نہ رہی۔ آپ زر و مال یا کوئی دوسری شے اتنی مقدار میں اپنے پاس رہنے ہی نہ دیتے تھے جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی۔ جو کچھ آتا آپؐ مستحقین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ اس کی تفصیل اسی کتاب میں مختلف عنوانات (حضورؐ کی شان جود وسخا، حضورؐ کی شان ایثار، حضورؐ کی کفالت عامہ وغیرہ) کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔

ذکر الٰہی

قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ میں مومن کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں ان میں سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ دکھ اور سکھ، تنگدستی اور فارغ البالی، بیماری اور تندرستی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر شاکر رہتا ہے اور اس کی حمد وثناء اور تسبیح وتقدیس میں مشغول رہتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا ہے۔ ہوشمند لوگ (اللہ کے بندے) اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ سورۃ نور میں ارشاد ہوا ہے کہ ان نیک بندوں کو اشغال دنیوی اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔ سورۃ عنکبوت میں فرمایا گیا ہے ولذکر اللہ اکبر۔ یعنی یقین کرو کہ اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے۔ اسی طرح متعدد احادیث نبوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز سے لے کر جہاد تک تمام اعمال صالحہ کی روح اور جان اللہ کا ذکر ہے۔ رحمت عالم ﷺ کی ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے تمام امت کے لیے قیامت تک نمونہ بنایا اس لیے آپؐ ہر لحظہ اور ہر لمحہ اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

سنن ابی داؤد میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمہ وقت ہر حال میں اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بے شمار احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے یا کھاتے پیتے وقت، گھر یا مسجد میں داخل ہوتے وقت، سفر شروع کرتے وقت یا سفر سے واپس آتے وقت، نیا چاند دیکھ کر یا نئے کپڑے پہنتے وقت۔ اسی طرح سورج گرہن ہو یا چاند گرہن ہو، کوئی خوشی ہو یا غمی، کوئی آزمائش ہو یا دشمنوں پر فتح

رحمت عالم ﷺ کے معمولات عیادت

رحمت عالم ﷺ کو بیماروں کی عیادت کا بہت التزام تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ اسے مسلمانوں کے لیے فرض قرار دیتے تھے۔ حضور ﷺ کسی بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو اس کو تسلی دیتے۔ اس کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے اور اس کی صحت کے لیے دعا فرماتے۔ بیمار پرسی کے وقت کسی کے منہ سے بدفالی کا کلمہ سننا آپ کو سخت ناپسند تھا۔

معمولات تعزیت

حضور ﷺ کو اپنے کسی صحابی کی وفات کی اطلاع ملتی تو آپؐ ان کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ان کے لیے استغفار فرماتے، جنازہ کی نماز پڑھاتے اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس تشریف لے آتے۔ عرصہ تک یہی دستور رہا بعد میں حضور ﷺ کی سہولت کے لیے صحابہ کرام خود جنازہ آپؐ کے خانہ اقدس تک لانے لگے۔

حاصل ہو غرض ہر موقع پر آپؐ کی زبان مبارک پر اللہ کا ذکر ہوتا تھا۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ رات کو کاشانہ اقدس پر پہرہ دیا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی تسبیح وتہلیل کی آواز سنتے سنتے تھک جاتا تھا اور مجھے نیند آ جاتی تھی (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ

ترجمہ: ہم نے گنا تو ایک نشست میں سو سو دفعہ یہ الفاظ آپؐ کی زبان سے ادا ہوئے۔ (سیرۃ النبیؐ بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ و دارمی)

کتب حدیث میں کثرت سے ادعیہ ماثورہ منقول ہیں جو حضور مختلف مواقع پر پڑھا کرتے تھے۔ میدان جہاد میں بھی آپؐ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے تھے اور مجاہدین کو بھی ایسا کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ مختصر یہ کہ ذکر الٰہی آپؐ کی حیات طیبہ کا جزو لاینفک تھا۔ ۞

خطبہ حجۃ الوداع

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

☆ رحمت عالم، محسن انسانیت، خاتم الانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے آخری حج (حجۃ الوادع) کے موقع پر، میدان عرفات میں ایک لاکھ تیس ہزار جانثاروں اور اپنے سچے جانشینوں ؓ کے سامنے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے جسے اس کی اہمیت اور اہتمام شان کے باعث حجۃ الاسلام، حجۃ البلاغ، حجۃ التمام اور حجۃ الکمال کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔(۲)

اس خطبہ عظیم کو مقاصد اسلام وشریعت اور آپ ﷺ کی تعلیم وتبلیغ کے سلسلہ میں نہایت ممتاز مقام حاصل ہے، جوامت مسلمہ اور عالم انسانیت کے لئے ابد تک ایک مینار نور، امن، سلامتی، اور عدل ومساوات کے ابدی اصولوں پر مبنی ایک عظیم دستور حیات ہے۔

اس میں آپ ﷺ نے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو مستحکم فرمایا اور روایات جاہلیت کی مشرکانہ رسوم کے خاتمہ کا اعلان فرمایا۔ ان تمام محرمات کی حرمت کی توثیق فرمائی جو تمام ادیان میں حرام ہیں، یعنی دوسروں کا خون، مال، عزت کا احترام، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، باہمی حقوق کی وصیت اور ''وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ'' کی تاکید فرمائی۔

جسے پڑھ کر اور سن کر یہ یقین تازہ ہوتا ہے کہ واقعی آپ ﷺ رحمۃ اللعالمین اور کافۃ للناس بشیر اونذیرا ہیں۔

یہ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کا واقعہ ہے کہ حضرت رسول امین ﷺ اپنے آخری حج کے موقع پر، حجاج کرام کے ہمراہ، میدان عرفات کے قریب مقام ''نمرۃ'' پر پہنچے، اور خیمہ زن ہوئے، پھر جب دھوپ ڈھل گئی تو آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی ''قصوا'' طلب فرمائی، اور کجاوہ نشین ہو کر میدان عرفات کے متصل مقام ''عرفہ'' میں تشریف لائے، اور ناقہ قصواء پر ہی حاضرین سے خطاب فرمایا۔

کنز العمال میں بروایت ام حصین ؓ منقول ہے کہ ''میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت اسامہ ؓ اور حضرت بلال ؓ نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کی نکیل پکڑے ہوئے ہیں، نیز حضرت بلال ؓ اور حضرت رسول اللہ ﷺ کو دھوپ سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنا کپڑا تانے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ نے ''جمرۃ العقبہ'' میں رمی فرمائی پھر آپ ﷺ اپنی چادر مبارک اپنی بغل کی جانب سے بائیں کاندھے پر ڈالے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے کجاوہ کے دائیں جانب ایک بہت بڑا مجمع ہے، حضرت ام حصین ؓ فرماتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے ایک طویل خطاب فرمایا، آخر میں فرمایا، اللھم اشھد (اے اللہ تو گواہ رہ) ھل بلغت (کیا میں نے حق رسالت ادا کردیا؟)

زاد المعاد میں حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر سورۃ (النصر)، ایام تشریق کے وسط میں نازل ہوئی، اور آپ ﷺ نے جان لیا کہ اب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آگیا، پس آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی قصواء کو طلب فرمایا، چنانچہ اس کو سواری کے لئے تیار کیا گیا، (آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر مقام عرفہ میں تشریف لائے) جب لوگوں کا اجتماع ہو گیا تو آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا!

کنز العمال میں حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے دوران ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے اس حال میں کہ آپ ﷺ اپنی اونٹنی جدعاء (مقطوع الاذن) پر سوار تھے، پس آپ ﷺ نے دونوں پاؤں رکاب میں داخل فرمائے، تاکہ آپ ﷺ اونچے ہو جائیں اور لوگ بات سن سکیں، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، الاتسمعون؟ کیا آپ تمام لوگ سن رہے ہو ذرا اپنی آواز کو بلند فرمایا اور ارشاد فرمایا!

ترجمہ: تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، ہم اس کی حمد وثناء کرتے ہیں، اور اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اسی کی جناب میں ہم توبہ کرتے ہیں، اور ہم اپنے نفس کی شرارتوں اور اعمال کی برائیوں سے اللہ جل شانہ، کی پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اللہ کے بندو! میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور تمہیں آمادہ کرتا ہوں کہ اس کی اطاعت پر اور میں بہتر بات (حمد وثناء) سے اپنے کلام کا افتتاح کرتا ہوں۔

(حمد وستائش کے بعد) لوگو! میری بات سنو تمہیں زندگی ملیگی، میں (آج) تم لوگوں سے صاف صاف باتیں کروں گا، اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میں اور آپ لوگ میرے اس سال کے بعد میرے اس مقام پر آئندہ کبھی باہم جمع نہ ہو سکیں گے (یعنی میرا وصال ہو جائے گا)۔

لوگو! آج کونسا دن ہے؟ تمام حاضرین نے جواب دیا یوم محترم، پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا شہر ہے؟ سب نے کہا بلد محترم، اس کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا مہینہ ہے؟ سب نے کہا کہ یہ ماہ محترم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ تمہارے خون اور تمہارے مال، تماری عزتیں، تمہارے ابدان اور تمہاری اولاد باہم ایک دوسرے کے لئے محترم ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو

اسی طرح جیسے تمہارا آج کا دن تمہارے اس مہینہ میں تمہارے اس شہر میں واجب الاحترام ہے۔ بلاشبہ تم عنقریب اپنے رب سے جاملو گے پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں باز پرس کرے گا سنو! میں نے اللہ کا پیغام پہنچادیا (راوی کہتے ہیں کہ) ہم نے جواباً عرض کیا، ہاں پہنچادیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ گواہ رہ۔

جس شخص کے پاس کسی کی کوئی امانت ہو اسے چاہیے کہ اس کی امانت ادا کرے، قرض ادا کیا جائے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے، دودھ کے لئے ہدیہ کی ہوئی اونٹنی دودھ سے استفادہ کے بعد واپس لوٹائی جائے، اور ضامن ضمانت کا ذمہ دار ہے۔

خبردار! تمام امور جاہلیت میرے ان قدموں کے نیچے پامال ہیں، اور ہر سودی معاملہ کالعدم ہے، اور تمہیں اپنی اصل پونجی لینے کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ سودی معاملہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور جو سود میرے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا وصول طلب ہے سب سے پہلے میں وہ تمام کا تمام ختم کرتا ہوں اور عہد جاہلیت کے خون بہا ساقط ہیں اور جو قصاص جاہلیت اپنے خاندان کا وصول طلب ہے، یعنی ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بہاء سب سے پہلے ان سے دستبردار ہوتا ہوں (ان کے خون کا انتقام نہیں لیا جائے گا) جو کہ قبیلہ بنولیث میں زیر پرورش تھے، کہ قبیلہ حذیل کے آدمیوں نے ان کو قتل کردیا۔

اور تمام آثار جاہلیت، خوں بہا، پانی اور کسی کی طرف مال کا جھوٹا دعویٰ سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں۔ البتہ بیت اللہ شریف کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کا منصب برقرار رہے گا، اور قتل عمد پر قصاص ہے اور شبہ عمدہ جو لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا جائے، اس میں سو اونٹ کی دیت ہے پس جس نے تعدی کی وہ اہل جاہلیت میں سے ہے، سنو کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچادیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

یہ نہ ہو کہ (قیامت میں) تم دنیا کا بوجھ اپنی گردنوں پر اٹھا کر لاؤ اور لوگ (سامان) آخرت لے کر آئیں میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کی نخوت اور غرور نسب سے پاک کردیا ہے۔

لوگو! رب ایک ہے اور تمارا باپ ایک ہے سب کے سب آدمؑ (کی اولاد ہو) اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدمؑ وحواؑ) سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کردیا ہے۔ تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ خداترس ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا دانا اور بڑا باخبر ہے، نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے، نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے نہ سرخ فام سیاہ فام پر، فضیلت وبرتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے، کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچادیا؟ اے اللہ تو گواہ رہ، حاضرین نے جواب دیا! ہاں۔

لوگو! امن کے مہینہ کو ہٹا کر آگے پیچھے کردینا کفر میں اضافہ کرتا ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں کہ ایک سال تو اس (مہینے) کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام، تاکہ ادب کے مہینوں کی جو خدا نے مقرر کئے ہیں گنتی پوری کرلیں، پس اس طرح جسے اللہ نے حرام کیا ہے اس کو حلال کرتے ہیں اور جسے اللہ نے حلال کیا ہے اسے حرام کرلیتے ہیں (چنانچہ) وہ ایک سال ماہ صفر کو حلال کرلیتے ہیں (اور دوسرے سال حرام) اور ماہ محرم کو ایک سال حرام سمجھتے ہیں (اور دوسرے سال حلال)۔

زمانہ چکر کاٹ کر اسی ہیت پر آگیا ہے۔ جس ہیت پر کہ اسے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق کے دن بنایا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے (جن کا ذکر) کتاب اللہ میں ہے، آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت سے، ان میں سے چار مہینہ محترم ہیں تین یکے بعد دیگرے ذیقعد، ذی الحج اور محرم ہیں، اور ایک الگ رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان میں ہے، یعنی دین قیم ہے، پس آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو، سنو کیا میں نے پیغام پہنچادیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

اے لوگو! تمہاری بیویوں کا تمہارے ذمہ حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے، تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارا فرش تمہارے غیر سے نہ رندوائیں (بالخصوص جن کو تم برا سمجھتے ہو یہ قید اضافی ہے) اور کسی ایسے شخص کو تمہارے گھر میں داخل نہ ہونے دیں، جس کو تم ناگوار سمجھتے ہو، الّا یہ کہ تمہاری اجازت ہو، اور وہ کوئی کھلی بے حیائی کی بات نہ کریں اور کسی امر خیر میں نافرمانی نہ کریں، پس اگر تمہیں ان کی طرف سے سرکشی کا خوف ہو تو اللہ رب العزت کی طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ ان کو نصیحت کرو، اور مجبور کرو، اور ان کی خوابگاہوں سے علیحدگی اختیار کرلو، اور انہیں مارو، ایسی مار جو شدید نہ ہو، کہ جس سے نشان پڑ جائے، پھر اگر وہ (کسی مرحلہ میں) باز آجائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں، تو وہ شرعی قاعدہ کے مطابق نان ونفقہ کی حقدار ہیں۔

بلاشبہ عورتیں تمہارے پاس مقید ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لئے کسی چیز پر قادر نہیں، (یعنی محکوم ہیں) اور بلاشبہ تم نے ان کو بامان اللہ حاصل کیا ہے (یعنی حق تعالیٰ کا ان سے عہد امان ہے) اور ان کو اپنے اوپر اللہ کے کلمات (احکام) کے ساتھ حلال کیا ہے۔ لہٰذا خواتین کے باب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو (یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو)۔

آپ ﷺ نے (دومرتبہ تاکیداً ارشاد فرمایا) اپنے غلاموں سے اچھا سلوک کرو، ان کو وہی کھلاؤ جو

تم کھاتے ہو، اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو، اگر وہ ایسا گناہ کر بیٹھیں، جسے تم معاف کرنا نہیں چاہتے تو اللہ کے بندو! انہیں فروخت کر دو اور ان کو عذاب نہ دو، سنو کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

لوگو! اپنے امیر کی بات سنو، اور اس کی اطاعت کرو، اگر چہ تم پر کسی حبشی غلام کو جو مقطوع الانف ہو امیر بنا دیا جائے، جبکہ وہ تمہارے معاملات میں کتاب اللہ کو نافذ کرے۔

سمجھ سے کام لو، لوگو! اور میری بات سنو میں نے تم لوگوں تک حق تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا، اور میں تمہارے درمیان روشن چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی کتاب اللہ اور اس کے نبی ﷺ کی سنت پس تم اس پر عمل پیرا رہو۔

لوگو! بات سنو بلاشبہ میں نے پیغام رسانی کا فرض ادا کر دیا۔ اسے سمجھو تا کہ تم جان لو، کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے الا یہ کہ وہ خوش دلی سے اس کو کچھ دیدے، خبردار! کسی عورت کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دیدے، سنو! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ راہ۔

خبردار! میرے بعد کفر کی طرف نہ پلٹ جانا، اس طرح کہ تم میں سے بعض مسلمان بعض دوسرے مسلمانوں کی گردن کاٹنے لگیں، سنو کیا میں نے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا نہیں دیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔

اے بنی آدم! اللہ جل شانہ نے ہر حقدار کا حق رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے لئے میراث کا حصہ مقرر فرمایا ہے اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں (یعنی اب کوئی شخص اپنے وارث کے لئے میراث کے معاملہ میں کوئی وصیت نہ کرے، ورثاء کو ان کے مقررہ حصہ شرعی کے مطابق حصہ ملے گا۔ اور کسی شخص کے لئے کسی غیر وارث کے حق میں اپنے تہائی مال کی مقدار سے زائد کی وصیت جائز نہیں۔

سنو! جس نے نفرت کے باعث اپنے باپ کے علاوہ کسی اور شخص کی جانب خود کو منسوب کیا (یعنی قوم نسبت تبدیل کی) یا کسی غلام نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کو اپنا آقا بنایا، اس پر خدائے تعالیٰ فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں فرمائیں گے۔

غور سے سنو! کوئی مجرم جرم نہیں کرتا مگر اس کی اپنی ذات پر ہے، خبردار! مجرم جرم نہیں کرتا ہے کہ جس کی ذمہ داری اس کے بیٹے پر ہو اور نہ کوئی بیٹا جرم کرتا ہے جس کی ذمہ داری اس کے والد پر ہو۔

لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور نہ تمہارے بعد کوئی امت وجود میں آئے گی، سنو! بلاشبہ میری دعوت کے سوا ہر نبی کی دعوت ختم ہو چکی کہ میں نے اس کو اپنے پروردگار کے پاس قیامت تک کے لئے جمع فرما دیا ہے۔ (یعنی اب کسی اور کو عطا نہ ہوگی) یہ حقیقت ہے کہ انبیاءؑ قیامت کے دن کثرت تعداد پر فخر کریں گے، پس تم مجھ کو اپنی بداعمالی سے رسوا مت کرنا، میں حوض کوثر کے دروازے پر تمہارے انتظار میں رہوں گا۔

سنو! اپنے رب کی عبادت کرو، نماز پنجگانہ ادا کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو، اپنے اموال کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ ادا کرو، اور ایک روایت میں ہے اور اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرو، اور سربراہوں کی اطاعت کرو، اور اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

راوی نے فرمایا کہ (اسی خطبہ میں) آپ ﷺ نے ہم کو صدقہ کا حکم فرمایا، پس آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا صدقہ کرو اس لئے کہ شاید تم مجھ کو میرے اس سال کے بعد نہ دیکھ سکو۔ (میرے ہی سامنے صدقہ کر دو تا کہ میں تمہارا گواہ بن جاؤں)۔

اور آپ ﷺ نے اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات مقرر فرمایا، کہ وہ: اس مقام سے احرام باندھ کر تلبیہ پڑھ کر چلیں، اور اہل عراق کے لئے ذات عرق کو میقات قرار دیا، یا اہل مشرق کے لئے (راوی کو اچھی طرح یاد نہیں رہا کہ آپ ﷺ نے اہل عراق فرمایا یا اہل مشرق)۔

میں تم کو آگاہ کرتا ہوں، مسلمان کون ہے؟ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، میں تم کو خبر دیتا ہوں مومن کون ہے؟ مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے باب میں مامون رہیں اور میں تم کو بتاتا ہوں مہاجر کون ہے؟ مہاجر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ برائیوں کو ترک کر دے، اور مجاہد وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کیا۔

اور مومن کی ذات (جان و مال) مومن پر حرام ہے جیسے اس دن کی حرمت، اس پر اس کا گوشت حرام ہے کہ وہ جسے غیبت کے ذریعہ کھاتا ہے، اور مومن کی عزت اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو خراب کرے، اور مومن کا چہرہ اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو طمانچہ مارے اور مومن کی ایذا، اس پر حرام ہے کہ وہ اس کو ایذا دے۔ اور حرام ہے اس پر کہ وہ مومن کو تکلیف رسانی کے لئے اس کو دھکا دے۔

اللہ تعالیٰ کے ذمہ ڈال کر قسمیں نہ کھاؤ (مثلاً یہ کہ قسم ہے اللہ وہ ضرور فلاں کام کرے گا) اس لئے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ذمہ قسم کھائی اللہ تعالیٰ اس کا جھوٹ ظاہر کر دے گا۔

اور حق تعالیٰ کے حضور مجھ سے بھی باز پرس ہوگی اور تم سے بھی اور تم سے میرے (پیغام رسانی کے) بارے میں سوال کیا جائے گا، بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سامعین نے عرض کیا ہم گواہی دیں گے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچا دیئے، اور تبلیغ کا (رسالت کا) حق ادا کر دیا۔ اور نصیحت و خیر خواہی کی تکمیل فرما دی، پس آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے۔ (پھر) سوال فرمایا: کیا تم اس

بات کے گواہ نہیں ہو؟ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ جنت برحق ہے اور جہنم برحق ہے اور موت برحق ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل قبور کو زندہ کرے گا ، حاضرین نے جواب دیا کہ ہاں ہم ان باتوں کے گواہ ہیں اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا ، اے اللہ تو گواہ رہ ، اے اللہ تو گواہ رہ ، اے اللہ تو گواہ رہ۔

بعد ازاں ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں حوض کوثر پر تم سے پہلے پہنچنے والا ہوں اور تم بھی اس حوض پر پہنچو گے ، وہ ایسا حوض ہے کہ اس کی وسعت بصرہ سے مقام صنعاء کے مابین مسافت کے برابر ہے ، اس پر ستاروں کی مقدار کے برابر چاندی کے گلاس ہیں اور جس وقت تم حوض کوثر پر آؤ گے تو میں ثقلین (کتاب وسنت) کے متعلق تم سے سوال کروں گا ، پس سوچ لو کہ تم ان دونوں کے باب میں کیسی جانشینی کرو گے ، ثقل اکبر ، کتاب اللہ ہے اور اس کے ایک کنارہ کا سرشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور ایک کنارہ تمہارے ہاتھ میں ہے پس اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو ، راہ راست سے نہ ہٹو ، اور نہ اس کو تبدیل کرو ، اور میرے عترت میرے اہل بیت ہیں اور خدائے لطیف وخبیر نے مجھے آگاہ فرمادیا ہے کہ وہ دونوں (کتاب وعترت) کبھی جدا نہ ہوں گے ، یہاں تک کہ ہو حوض کوثر پر وارد ہوں۔

بلاشبہ صدقہ زکوٰۃ نہ میرے لئے حلال اور نہ میرے اہل بیت کے لئے اور بطور مثال وتاکید آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کی گردن کے متصل پیٹھ سے ایک بال پکڑا اور فرمایا کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ اس بال کے برابر ہم وزن زکوٰۃ بھی ان کے لیے جائز نہیں۔

اور ارشاد فرمایا! کہ جو اس وقت موجود ہے وہ میرا پیغام ان تک پہنچادے جو موجود نہیں ہے ممکن ہے وہ شخص جسے بات پہنچائی جائے وہ بات کو سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو ، سنو! کیا میں نے خدائے تعالیٰ کا پیغام پہنچا نہیں دیا؟

تم پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پر اسی قیام عرفہ کے دوران یہ آیت نازل ہوئی۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"

(آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے بطور طریق زندگی اسلام سے راضی ہو گیا) اس وقت عالم یہ تھا کہ شرک مضمحل ہو چکا تھا ، اور کسی شخص نے (زمانہ جاہلیت کی روش پر) پر کعبۃ اللہ کا برہنہ ہو کر طواف نہیں کیا۔ ❁

بیعتِ رضوان

حضرت عثمانؓ کے "قتل ناحق" کی خبر سن کر مسلمان قریش سے مرعوب کیا ہوتے ، ان میں سخت بے چینی پھیل گئی اور غم وغصہ نے ان کو خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ مکہ میں داخل ہونے کے لیے قریش سے جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اپنے سفیر کا قتل ایسا واقعہ نہیں تھا جس کو آپ نظرانداز کر دیتے یا برداشت کر لیتے۔ آپؐ نے اپنے ساتھ آنے والے تمام صحابہ کو جمع کیا اور کیکر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ان سے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے ہم مشرکین قریش سے خون عثمانؓ کا بدلہ لیے بغیر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ تمام صحابہ کرامؓ نے اس ذوق وشوق اور جوش وخروش سے حضور ﷺ کی بیعت کی گویا ان کے سینوں میں شوق شہادت کے شعلے بھڑک رہے ہوں یا وہ راہ حق میں سر کٹانے کے لیے تڑپ رہے ہوں کیونکہ بظاہر جو صورت حال تھی اس میں سرفروشی اور جاں نثاری کے جذبہ سے سرشار ہوئے بغیر یہ بیعت نہیں کی جاسکتی تھی۔ ذرا اندازہ کیجیے کہ مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے بھی کم ہے تلواروں کے سوا ان کے پاس کوئی دوسرا ہتھیار بھی نہیں۔ یہاں تک کہ اپنے بچاؤ کے لیے کسی کے پاس زرہ بھی نہیں وہ اپنے مرکز سے تقریباً تین سو میل دور ہیں۔ ان کے مقابلے میں دشمن کئی ہزار مسلح جنگجو میدان میں لاسکتا ہے اپنی مدد کے لیے نواحی علاقوں سے اپنے حلیف یا دوست قبائل کو بھی بلاسکتا ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی قوت ایمان کا یہ عالم ہے کہ سوائے ایک منافق کے کوئی دوسرا آدمی راہ حق میں مرنے مارنے کی بیعت کرنے سے نہیں ہچکچاتا۔ بیعت کے آخر میں حضور ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا پھر اس کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا۔ "یہ عثمانؓ کی بیعت ہے"۔

یہی وہ بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بیعت کرنے والوں کو بارگاہ الٰہی سے خوشنودی لازوال سند عطا ہوئی۔ خوشنودی کا یہ مژدہ جانفزا ان الفاظ میں سنایا گیا:

ترجمہ "بے شک اللہ مومنوں سے خوش (راضی) ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے (اے نبیؐ) تم سے بیعت کر رہے تھے"

اس بیعت کی فضیلت کے پیش نظر ہی آنحضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو اس میں شریک کیا تھا حالانکہ وہ خود اس موقع پر موجود نہیں تھے۔ جن صحابہ کو یہ بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا ، جماعت صحابہ میں انہیں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

حضور ﷺ بحیثیت پیغمبر انقلاب

پروفیسر عبدالجبار شاکر

☆ اس دنیا کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو بہت سے انقلابات کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان انقلابات کی نوعیت مختلف اور متنوع رہی ہے مگر ان تمام انقلابات میں سے حضور ﷺ کے برپا کردہ انقلاب کے علاوہ کوئی ایک ایسا نہیں ہے جس کا صحت مند اور مثبت اثر آج زمانے میں باقی ہو۔ انقلابات آئے مگر ان کی نوعیت خردی، عارضی، یا مقامی نوعیت کی تھی۔ ایک نظام اقتدار کی بساط الٹی تو اس کی جگہ ایسا ہی ایک دوسرا نظام اقتدار مسلط ہو گیا۔ ایک سلطنت کا خاتمہ ہوا تو اسی نوعیت کی کوئی دوسری سلطنت قائم ہو گئی۔ کئی ایک پیغمبران انقلاب آئے مگر دنیا کے نقشے پر کوئی پائیدار، مستقل اور مستحکم اخلاقی روحانی نقش قائم نہ کر سکے۔ ان انقلابات میں سے کسی کی حیثیت روحانی تھی تو کسی کی اخلاقی، کوئی معاشی تھا تو کوئی معاشرتی، کسی میں سیاسی پہلو غالب تھا تو کسی میں تمدنی، الغرض انقلابات عالم میں سے بجز ایک محمدی انقلاب کے کوئی ایسا نہیں ہے۔ جسے ہم ایک ہمہ گیر، جامع اور مستقل انقلاب قرار دے سکیں۔

حضور نبی کریم ﷺ جس انقلاب کی نوید کر دنیا میں مبعوث ہوئے وہ ہے اعتقادی، فکری، اخلاقی، روحانی، تعلیمی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی، معاشی، سیاسی، قانونی، ہر اعتبار سے اور ہر پہلو سے مکمل تھا۔ اس انقلاب نے گزشتہ انقلابات عالم کی روایات سے مفاہمت اختیار کرنے کی بجائے ان کے برعکس ایک نئے اور صالح انقلاب کی بنیاد رکھی۔ یہ انقلاب انسانی عقل کی رہنمائی کی بجائے ایک نظام وحی پر مبنی اور ایک سچی پیغمبرانہ سیرت کا آئینہ دار ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ: ''وہ ذات جس نے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ وہ اس (دین) کو دوسرے تمام نظام ہائے زندگی پر غالب کر سکے خواہ یہ بات مشرکین کو کتنی اور کیسی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔''

اس جامع اور ہمہ گیر انقلاب کے لئے حضور ﷺ نے تیرہ سال تک مکہ اور دس سال تک مدینہ میں شدید محنت کی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے قلیل ترین مدت میں، محدود ذرائع و وسائل کے ساتھ، تاریخ کا حیرت انگیز انقلاب برپا ہو گیا جو حیات نبوی میں چار کلو میٹر رقبہ کی ریاست سے شروع ہو کر بارہ لاکھ مربع میل تک پھیل گیا۔ یوں تو اس انقلاب کا ہر پہلو لائق توجہ اور تاریخی نتائج اور اثرات کا حامل ہے۔ مگر اس کا معاشرتی پہلو تاریخ انسانیت میں اپنے اثرات کے لحاظ سے آج بھی مثبت اقدار و روایات کا حامل ہے۔

حضور ﷺ کا معاشرتی انقلاب، اسلام کے نظام عقائد کا پرتو لئے ہوئے ہے۔ اسلام کی اساس عقیدۂ توحید پر ہے۔ اور اس کے اثرات معاشرتی نظام میں وحدت کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ اسلامی معاشرت میں مساوات، اخوت، رواداری ہمدردی اور ایثار کی صفات پیغمبر اسلام کی سیرت کا براہ راست اظہار ہیں۔ اس معاشرت کی تعمیر میں عبادات نے بھی خصوصیت سے اپنے اثرات پیدا کئے ہیں۔ نماز میں اس کی حیثیت و ترکیب کے اثرات معاشرتی تشکیل پر مرتب ہوئے ہیں۔ جو صف بندی نماز میں ضروری ہے۔ وہی ارتباط و اختلاط ہمیں مسلمانوں کی عملی زندگی میں بھی نظر آتا ہے۔ روزے میں ہمدردی و غمخواری کے پہلو کو تقویٰ کا ایک حصہ قرار دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ کا پورا عمل ہی اسلامی معاشرت کی معاشی ناہمواریوں کو دور کرتا ہے۔ عورتوں اور مردوں کے حقوق اور مساوات کے ضمن میں تو پیغمبر انسانیت کا اسوہ بہت تابناک مثال پیش کرتا ہے۔

اسلامی معاشرت کے حسن اور اس کی صفات کو جاننے کے لئے اسلام کے عطا کئے ہوئے ان بنیادی حقوق پر نگاہ ڈالنا چاہیے۔ جس میں حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا ایک مستقل ضابطہ عطا کیا گیا ہے۔ کتاب و سنت میں ان حقوق کے احترام اور ان کی ادائیگی کی مستقل تعلیمات دی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض ضوابط کی ادائیگی تو اخلاقیات کے دائرے میں آتی ہیں مگر ان کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہے۔ جن کی ادائیگی کا ایک قانونی اور شرعی پہلو ہے۔ جس کے نفاذ کی ذمہ داری اسلامی ریاست اور اس کے متعلقہ اداروں پر عائد ہوتی ہے۔ یوں حضور ﷺ نے معاشرت کے میدان میں جو انقلاب برپا کیا وہ اپنی عملی ترکیب کے اعتبار سے اس کائنات کا سب سے پہلا اور سب سے آخری عملی انقلاب ہے۔

ذرا عرب کی سرزمین کو آج سے چودہ سو سال پیشتر کی فضا میں دیکھئے ایک صحرائی قوم جو مختلف قبائل اور نسلی تفاخر کی زنجیروں میں جکڑی دکھائی دیتی ہے۔ غلامی کا ایک بدترین ادارہ اپنی پوری حیثیت کے ساتھ قائم ہے۔ حکمرانوں اور رعایا کے درمیان حقوق کی مساوات کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ بعض تہذیبیں ذات پات کے بدترین نظام کو اپنائے ہوئے ہیں۔ آقائیت اور غلامی کے مظاہر ان کی تذلیل کے نقشے پیش کر رہے ہیں۔ ایرانی تہذیب میں بہن اور بیٹی سے بھی ازدواجی تعلق کو بادشاہوں تک کے درجے میں روا رکھا جاتا تھا۔ یوں معاشرتی اصلاح کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ حضور سرور کائنات ﷺ

نے اس معاشرتی صورت حال میں قرآن مجید کی تعلیمات کو دعوت کے بطور عرب کے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور بتایا کہ اے افراد نسل انسانی تم سب ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد سے ہو۔ ہم سب آدم کے بیٹے ہیں اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ پھر ساری نسل انسانی انہی کے توسط سے آگے بڑھتی ہے۔ سورہ الحجرات میں یہ تعلیم دی گئی کہ یہ قبائل اور برادری تو محض تعارف کے لئے بنائی گئی ہیں۔ ورگرنہ عزت وتکریم کا معیار نام ونسب یا کوئی اور دوسری معاشرتی نسبت نہیں بلکہ تقویٰ واخلاق ہے۔ تاریخ معاشرت میں تکریم آدمیت کے اس نظریے نے اس تہذیب کو حجازی اور عرب سرزمین سے نکال کر چار دانگ عالم میں پھیلا دیا۔ اسلامی معاشرت میں حسن سلوک اور حق ہمسائیگی کے جو تصورات دے گئے ہیں۔ والدین اور اولاد کے جن حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ زوجین کے درمیان جس معاشرتی رشتے کو اخلاقی تعلیم کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ معاشرتی انقلاب سامنے آتا ہے کہ جس میں غلام آزاد قوموں کی سربراہی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جنگ وجدل میں بھی اخلاقی اقدار کے تحفظ کا سامان کیا جاتا ہے۔ انصار ومہاجرین کے درمیان آخرت پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ آخرت معاشرتی سطح پر ایک عالمگیر دائرہ بنالیتی ہے۔ جس کا ایک مظاہرہ حج بیت اللہ کے موقع پر ہوتا ہے۔ کہ مشرق ومغرب کے تمام کالے گورے انسان، مختلف علاقوں، نسلوں، زبانوں اور ثقافتوں سے تعلق رکھنے کے باوجود وحدت انسانیت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ پیغمبر اسلام حضور ﷺ کا معاشرتی انقلاب تاابد انسانوں کو اس کے مثبت اثرات سے مستفید کرتا رہے گا۔ ❁

بیعت عامہ

فتح مکہ کے دوسرے دن لوگوں کا ایک بڑا ہجوم رسول اکرم ﷺ سے اسلام پر بیعت کرنے کے لیے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ ان سے بیعت لینے کے لیے کوہ صفا پر تشریف لائے اور وہاں بیٹھ کر پہلے وہاں پر موجود تمام مردوں سے اللہ اور رسول کی سمع وطاعت پر بیعت لی۔

حضور ﷺ مردوں کو بیعت کر کے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے عورتوں سے بیعت لی۔ چونکہ آپ محرم عورتوں کے سوا کسی غیر عورت سے مصافحہ نہیں کرتے تھے اور نہ اسے ہاتھ لگاتے تھے۔ اس لیے ان سے بیعت لینے کا یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ پانی سے بھرا ہوا ایک برتن اپنے سامنے رکھوا لیتے تھے پھر بیعت کرنے والی عورتوں سے یہ اقرار لیتے تھے کہ وہ

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی۔

۲۔ چوری نہ کریں گی۔

۳۔ زنا نہ کریں گی۔

۴۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔

۵۔ کسی پر بہتان نہ باندھیں گی۔

اس کے بعد آپؐ اپنا دست مبارک پانی میں ڈالتے اور نکال لیتے پھر عورتیں اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈالتیں اور نکال لیتیں۔

بعد میں بیعت لینے کا طریقہ یہ ہو گیا کہ آپؐ عورتوں سے مذکورہ بالا باتوں کا اقرار لے کر ان سے فرماتے، جاؤ بیعت ہو گئی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت عمر بن خطابؓ کے ذریعے عورتوں سے بیعت لی وہ یوں کہ حضرت عمرؓ رسول اکرم ﷺ کے وہ الفاظ دہراتے جاتے تھے جو آپؐ عورتوں سے بیعت لیتے وقت فرماتے تھے مثلاً یہ کہ ''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گی، چوری نہ کرو گی وغیرہ۔ (روض الانف ج ۲ ص ۲۷۷)

عورتیں ان باتوں کا اقرار کرتی تھیں اور بیعت ہو جاتی تھی۔ ان عورتوں میں ہندہ بنت عتبہ (زوجہ ابی سفیانؓ) بھی تھیں انہوں نے بیعت کرتے وقت گستاخی کو چھوتی ہوئی بے باکی کا مظاہرہ کیا لیکن حضور ﷺ نے ان کی بیعت قبول فرما اور ان کی خطائیں معاف فرما دیں۔

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتحادِ اُمت

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

☆ ربیع الاوّل کا مہینہ اسلامی تاریخ میں بطور خاص اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اس مبارک ماہ میں وہ مقدس ہستی اور دنیا کے سب سے بڑی انقلابی شخصیت پردہ کائنات پر جلوہ گر ہوئی جس نے ملکوں، انسانوں اور تاریخ کو شناخت عطا فرمائی، ہم مسلمان خصوصی طور پر اس عظیم الشان ذات کے ممنون کرم ہیں کہ ان کے توسل اور ان کی نسبت کے بغیر نہ ہمارا ایمان معتبر ہے اور نہ ہماری حیثیت قابل ذکر.........

اگر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتو ایمان کا بھی کوئی مفہوم نہیں بنتا اور خدا کی پہچان بھی نہیں ہو پاتی، نماز روزہ، قربانی، حج، زکوٰۃ، قرآن، کعبہ، کلمہ، اسلام، رمضان، عیدالفطر اور عیدالبقر یہ سب کچھ اس لئے ہیں کہ ان کی تصدیق جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمائی۔

آپ دنیا میں تشریف لائے اور دنیا کے ہر پہلو کو اپنے روحانی اور عملی انقلاب سے متاثر کیا، دل بھی بدلے اور ذہن کی سمت بھی بدلی، اخلاق بھی بدلا اور زاویہ نظر کو بھی تبدیل کیا، ظاہری اطوار بھی تبدیل کئے اور باطنی واردات میں بھی انقلاب برپا کر ڈالا۔

معجزات میں صرف یہی باتیں قابل ذکر نہیں کہ چاند دو ٹکڑے کر ڈالا اور ڈوبا ہوا سورج اشارے سے دوبارہ نکال دیا، بھیڑیے کو کلمہ پڑھا دیا اور ہرنی کی رہائی کرادی، اور ایک پیالہ دودھ ستر آدمیوں میں بانٹ دیا اور پھر بھی بچ رہا، حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ حضرت انسان کو اندر اور باہر سے بدل ڈالا، وحشیوں کو متمدن، جاہلوں کو معلم، گمراہوں کو راہبر، راہزنوں کو راہ نما، چرواہوں کو حکمران، عیاشوں کو پاکبازی، کے آداب سکھا دیئے۔ اس سے بھی بڑا معجزہ یہ ہے کہ براعظموں، رنگوں، نسلوں، خطوں، قوموں، پہاڑوں، صحراؤں، دریاؤں اور میدانوں کے ہزاروں میل کے فاصلے سمیٹ کر لاکھوں کروڑوں انسانوں کو ایک امت میں سمو دیا۔

اسلام کے حوالے سے ایک ملت محض روحانی، اخلاقی، نظریاتی اور دینی بنیادوں پر متشکل ہوگئی تو ایک نئی برادری دنیا کے سامنے آئی۔

۱۔ مکہ کے قریشی مہاجر۔

۲۔ مدینہ کے اوس اور خزرجی انصار۔

۳۔ حبش کے بلال بن رباحؓ (جو بعد میں مصر کے گورنر بنے)

۴۔ بازنطین کے زید بن حارثہؓ (پہلے غلام اور پھر رسول اکرم ﷺ کے منہ بولے بیٹے بنے)

۵۔ روم کے صہیبؓ (جو حضرت عمرؓ فاروق کی شہادت کے بعد کئی دن تک مسجد نبوی کے امام رہے)

۶۔ فارس کے سلمانؓ (ایک زمانے میں مدائن کے گورنر مقرر ہوئے)

۷۔ (سابقہ یہودی عالم) عبداللہ بن سلام۔

۸۔ اور خالدہ بنت الحارث (مذہب یہود کی عالمہ فاضلہ خاتون)

ان سب میں یا ایک دوسرے کے ساتھ ایک بھی مادی قدر مشترک نہیں، لسانی، نسلی، علاقائی، وطنی، جغرافیائی، صوبائی، ملکی، تہذیبی، ثقافتی، تاریخی اور براعظمی اعتبار سے کوئی قدر مشترک نہیں مگر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نے ان سب کو یکجا کر دیا، یہ سب آناً فاناً ایک دوسرے کے کیسے بھائی بن گئے؟ آن واحد میں کون سی قدر مشترک پیدا ہوگئی؟ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر واضح ہوتا ہے کہ انقلاب محمدیؐ نے صدیوں اور زمانوں کے فاصلے پل بھر میں طے کر ڈالے یہ بلالؓ کون ہیں؟ حبشی، چپٹی ناک والے، سیاہ نسل، اجنبی براعظم کے باشندے، اوپری زبان بولنے والے اور غلامی کے گرفتار کب اور کیوں جوانان عرب کے بھائی بن گئے؟

یہ زید بن حارثہؓ کون ہیں؟ بازنطینی علاقے کے قبیلہ بنی کلب سے تعلق رکھنے والے، کل تک ایک نصرانی تھے ان کے اور انصار ومہاجرین کے درمیان رشتہ محبت کیسے استوار ہوگیا؟

سلمان فارسیؓ کون تھے؟ اصفہان کے باسی، زرتشتی خاندان کے فرد، پیدائشی مجمی، آتش پرست یہ صاحب سلطنت مدینہ کے معزز شہری کیسے بن گئے؟

یہ عبداللہ بن سلامؓ اور خالدہ بنت الحارث خاندان یہود کے معزز فرد باقاعدہ مناظر اور مفتی یہ سب کیسے ایک ملت میں سمو گئے؟

ان سب میں کوئی بھی ہم شہری، ہم ملکی، ہم قومی، ہم وطنی، ہم قبیلہ، ہم قومیتی، ہم لسانی، اور ہم براعظمی نہیں تھا۔ یہ سب ملت اسلامیہ کے اجزاء بنے تو ان میں کوئی مشترک مادی قدر، مشترکہ تعصب اور مشترکہ ذاتی مفاد نہ تھا بلکہ یہ سب عجمی اور عربی، کالے اور گورے، آزاد اور غلام، مہاجر اور انصار، مکی اور مدنی، رومی اور ایرانی محض ہم عقیدہ اور ہم مذہب بن کر شجر ملت سے پیوستہ ہوگئے اور دنیا کو بہار آشنا کر دیا۔

اہل فرانس عموماً برطانیہ کے دشمن رہے، اٹالین (اٹلی والے) جرمنوں اور انگریزوں کے بھائی نہ بن سکے، جرمن نپولین کو اور فرانسیسی بسمارک کو اپنا محبوب نہ بنا سکے کوئی سیزر انگریزوں کا ہیرو نہ بن سکا مگر اس کے برعکس عرب کا محمد بن قاسم ہندی مسلمانوں کا بھی ہیرو ہے، جمال الدین افغانی ایران، پاکستان اور افغانستان کا بیک وقت محبوب رہنما ہے، اقبال ”عرب وعجم کے مسلمانوں کی آنکھ کا تارا ہے باوجود اس کے کہ وہ برصغیر ہندوپاک کے ہیں، یہ ہے انقلاب محمدی ﷺ کی روشن جھلک جس سے صفحہ ہستی اور سینہ کائنات تابناک ہے ہمارے ہاں حضور ﷺ کو عظیم عالمی رہنما، سب سے بڑے انقلابی قائد، عرب وعجم

کے نجات دہندہ، شرف انسانی کے ضامن، روحانیت کے پیکر اتم اور کائنات انسانی کی روح رواں کے طور پر دیکھنے کی عادت نہیں بلکہ انہیں پرکھنے اور سمجھنے کے لئے ہم نے نور، بشر، کے پیمانے بنا رکھے ہیں۔

آفاقی پیغام دینے والے، عالمی ریاست قائم کرنے والے، اور کائناتی فکر رکھنے والے پیغمبر کی امت بہتر (72) فرقوں میں بٹ جائے تو اس سے زیادہ مہلک اور افسوسناک بات کیا ہو سکتی ہے؟

جس دین نے رنگ اور نسل، وطن اور زبان کے گہرے اختلافات کو چشم زدن میں ملیامیٹ کر کے رکھ دیا اس دین کے نام لیوا ابھی تک رفع یدین۔ آمین بالجہر، نور بشر، حاضر ناظر گیارہویں اور علم تعزیے پر لڑ رہے اور جگ ہنسائی کا سامان کر رہے ہیں۔

تمام کلمہ گو سنی، شیعہ، مقلد غیر مقلد مسلمانوں کا خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک، کعبہ ایک اور کلمہ ایک ہے تو امت ایک کیوں نہیں بن سکی؟ سنی اور شیعہ رہیں مگر اپنی بنیاد اور نسبت کو نہ بھولیں حد سے تجاوز کر کے ایک دوسرے کو اسلام سے خارج کرنے کا جہاد نہ فرمائیں، زخموں سے چور اور چرکوں سے نڈھال امت کو مزید دکھ نہ دیں بلکہ مرہم اور پھاہا رکھنے کا اہتمام کریں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ خدا ایک ہے مگر امت ایک دوسرے کی نظر میں کافر و مشرک، رسول سراپا رحمت ہیں مگر امتی آپس میں لڑنے مرنے کو آمادہ و مستعد، قرآن ایک ہے مگر ماننے والے الجھے ہوئے، کعبہ ایک ہے مگر مسجدیں محاذ جنگ بنی ہوئی ہیں، کلمہ ایک ہے مگر کلمہ گو باہم دست و گریبان ہیں، حالانکہ ہم غور و فکر سے کام لیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید بنائے وحدت ہے نظریہ رسالت پیغام رحمت ہے۔ قرآن حکیم سرچشمہ ہدایت ہے، حرم کعبہ مرکز ملت ہے کلمہ طیبہ نشان عظمت ہے اور ملت اسلامیہ خیر امت ہے۔

دنیا امت محمدی کو مسلمان کے طور پر دیکھتی ہے۔ خواہ وہ مسلمان ایران کا شیعہ ہو، پاکستان کا سنی ہو، ہندوستان کا دیوبندی ہو، اور سعودی عرب کا اہلحدیث ہو، دنیا کے نقشے اور اقوام متحدہ کے دفتر میں یہ ممالک مسلمان سمجھے جاتے ہیں، کوئی انہیں مشرک اور کافر، یہودی اور عیسائی ملک نہیں قرار دیتا، حج بیت اللہ مسلمان کرتے ہیں کوئی سکھ ہندو حج کو نہیں جاتا، قبلہ رخ نماز مسلمان پڑھتے ہیں کوئی یہودی اور بدھ نہیں پڑھتا مگر ہم ہیں کہ ابھی ہمارے اندر کفر و اسلام کا معرکہ برپا ہے اگر ہم ایک دوسرے کے فتوؤں کے مطابق کافر ہیں اور گمراہ، مرتد اور بدعتی، مشرک اور گستاخ رسول ہیں تو اس جزیرے کی ضرور نشاندہی کی جائے جہاں مسلمان بستے اور سانس لیتے ہیں۔

اندرونی تضادات میں الجھی ہوئی، اقتصادی مشکلات میں پھنسی ہوئی، جنگی جنون میں مبتلا، آمادہ فساد و جنگ، کالوں اور گوروں میں بٹی ہوئی، مشرق اور مغرب میں منقسم، دو عالمی جنگوں کی ماری ہوئی اور تیسری ایٹمی جنگ کے خوف میں گرفتار دنیا کو حضور رسالت مآب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے اس عظیم الشان انقلاب کے ذریعے سہارا دینے کی ضرورت ہے جس نے آدمی کو جوہر آدمیت اور انسان کو شرف انسانیت سے نواز کر ہر قسم کے خوف، حزن، ابتلاء، استحصال اور افتراق سے آزاد کر دیا۔

یہ کام پیشہ ور ملائیت، اور دم کٹی فرقہ واریت کے نہ کرنے کا ہے نہ کر سکی ہے۔ یہ کام ان شاہین صفت اور خود آشنا نوجوانوں کا ہے۔ جو فولاد کے اعصاب اور چیتے کا جگر رکھتے اور طوفانوں سے ٹکر لے سکتے ہوں جن کا سرمایہ حیات کل کا کل عشق رسول ﷺ ہو اور جن کا مقصد زیست فقط انقلاب محمدی ﷺ کا فروغ ہو!

وہ آئے اور آئے بھی قرآں لئے ہوئے
تنظیم کائنات کا ساماں لئے ہوئے
اترا حرا کے غار سے وہ نازش مسیح
سارے جہاں کے درد کا درماں لئے ہوئے

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

لبوں پہ ہے میرے ثنائے محمدؐ
نہیں کوئی دل میں سوائے محمدؐ

وہی بس وہی میرے پیش نظر ہیں
نگاہوں میں میری سمائے محمدؐ

نہ کیونکر کہیں ان کو شہ دو عالم
کہ دونوں جہاں ہیں برائے محمدؐ

نہیں اس کو آفات عالم کا خطرہ
جسے مل گئی ہے ردائے محمدؐ

کتاب مبیں ہے یہ ہوتا ہے ثابت
رضائے خدا ہے رضائے محمدؐ

ہوا ان کی آمد سے ہر سو اجالا
جب عالم میں تشریف لائے محمدؐ

مبارک تجھے یہ شرف نجم ثاقب
کہ ہے تو بھی ادنٰے گدائے محمدؐ

(سید نجم نعمانی سبزواری)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقش کف پا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

ایک بار اور بھی طیبہ سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجد اقصیٰ تیرا

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

(احمد ندیم قاسمی)

درود شریف کی اہمیت

محمد اسلم جاوید

1۔ صلوٰۃ وسلام اور برکت کے معانی

☆ لفظ صلوٰۃ عربی زبان میں چند معانی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ 1۔ رحمت۔ 2۔ دعا۔ 3۔ مدح وثناء۔ جب اسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے۔ تو اسکا مطلب ہوتا ہے۔ "رحمت نازل کرنا"۔ جب اسکی نسبت فرشتوں کی طرف کی جاتی ہے۔ تو اسکا مطلب ہوتا ہے۔ "دعا واستغفار کرنا"۔ جب اسکی نسبت مومنین کی طرف کی جاتی ہے۔ تو اسکا مطلب ہوتا ہے۔ "دعا۔ مدح ثناء وتعظیم کا مجموعہ"۔

لفظ سلام مصدر بمعنی السلامۃ ہے اور مراد اس سے نقائص وعیوب اور آفتوں سے سالم (محفوظ) رہنا۔ اسلام علیک کے معنی یہ ہیں کہ نقائص اور آفات سے سلامتی آپکے ساتھ رہے۔

اسی طرح لفظ برکت ہے جو درود ابراہیمی میں استعمال ہوا ہے۔ امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ برکت کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (1) کبھی تو خیر باقی ودائم کو برکت سے تعبیر کرتے ہیں۔ (2) اور کبھی کثرت آثار فاضلہ پر یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔

2۔ درود پاک بھیجنا کیوں لازم ہے۔

الصلوٰۃ علی النبیؐ۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور کی جانے والی ایک دعا ہے۔ جسمیں ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی پسندیدہ ترین مہربانیاں اور رحمتیں نبی کریم ﷺ کو عطا فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد جس کا ہم پر سب سے بڑا احسان ہے۔ وہ رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ انہوں نے انتہائی مشکل حالات میں تلخ سے تلخ جور وستم برداشت کر کے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچایا۔ اگر وہ ان آزمائشوں میں پورے نہ اترتے اور تکالیف برداشت نہ کرتے تو یہ ایمان کی روشنی ہم تک کبھی نہ پہنچ پاتی۔ اور ہم گمراہی کے اندھیرے میں گھرے رہتے اور مرنے کے بعد دوزخ ہمارا ٹھکانہ ہوتا۔

چونکہ اس زمین پر ایمان سب سے بڑی نعمت ہے جو ہم کو حضور ﷺ کی رحیم وکریم ذات کی وساطت سے ملی اسلیئے اللہ تعالیٰ کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن رسول کریم ﷺ ہی ہیں۔

حضور ﷺ کے اس بہت بڑے احسان کے بدلے اور اپنی ایمانی وابستگی اور وفاکشی کے اظہار کے لئے اس کے سوا کیا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اپنی رحمتوں کا نزول حضورؐ کی ذات اقدس پر فرمائے۔ یہی دعا درود کہلاتی ہے۔

حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کی دوسری وجہ اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جو سورہ احزاب کی آیت نمبر ۵۶ میں وارد ہوا ہے۔ فرمایا "بے شک اللہ اور اسکے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپؐ پر درود اور خوب سلام بھیجا کرو"۔

حکم اور خطاب کا یہ انداز قرآن پاک میں صرف صلوٰۃ وسلام کے اس حکم ہی کیلئے اختیار کیا گیا ہے۔ جس میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور اسکی شدید محبت کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ فرشتے بھی اسی طرح کرتے ہوئے آپکی تعظیم وتکریم بجالاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے۔ چونکہ یہ عمل اللہ کو خوش کرنے والا اور فرشتوں کا پسندیدہ عمل ہے اس لئے ہم مومنوں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ جاننے کے بعد کون مسلمان ہوگا جو حضور ﷺ پر درود بھیجنا اپنا فرض نہ سمجھے۔

3۔ درود پاک پڑھنے کا صحیح طریقہ

میرے پیارے ہادی ومرشد جناب غلام رسول شاہد صاحب نے درود پاک پڑھنے کے دو طریقے تعلیم فرمائے ہیں۔ ایک طریقہ تو ان خوش نصیبوں کیلئے ہے جنکو حج یا عمرہ کے دوران روضہ رسول ﷺ پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ جب آپ درود پاک پڑھیں تو باوضو حالت میں پڑھیں۔ اور یہ تصور باندھیں کہ آپ روضہ رسول ﷺ کے سامنے مؤدبانہ کھڑے ہوکر حضورؐ کی خدمت میں نہایت محبت اور عقیدت کے ساتھ درود پاک کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ درود پاک پڑھتے ہوئے جب حضور ﷺ کا نام مبارک زبان سے ادا کریں تو حضور کو یاد کرتے ہوئے حاضر دماغی کی حالت میں کریں۔ یعنی غفلت کی کیفیت طاری نہ ہو۔ اسی سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ جب میں میٹرک کا طالب علم تھا میرے سکول میں ایک استاد صاحب تھے جو اردو اور عربی پڑھاتے تھے۔ وہ وہاں کی ایک مسجد کے خطیب بھی تھے۔ ایک دفعہ ہمارے گاؤں کے قریب دوسرے گاؤں میں ایک عرس کے موقع پر انکو خطاب کیلئے مدعو کیا گیا۔ دوران خطاب انہوں نے فرمایا کہ تین یا چار رکعت والی نماز ادا کرتے ہوئے پہلے قعدہ میں تشہد پڑھنے کے بعد اگر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھ لیا جائے تو سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ عام نماز کی کتابوں میں اسکی وجہ فرض میں تاخیر لکھی ہے لیکن جو نقطہ انہوں نے بیان کیا وہ یہ ہے کہ نمازی نے حضور کا نام غفلت میں لیا۔

کونسا درود پاک پڑھا جائے

درود شریف اپنی ترتیب اور الفاظ کے لحاظ سے ان گنت ہیں۔ بعض درود شریف اپنی اپنی فضیلت اور خصوصیات کے اعتبار سے بہت موثر اور اہم ہیں۔ مثلاً درود تاج۔ درود لکھی۔ درود ماہی۔ درود ناریہ۔ درود تنجینا۔ درود ابراہیمی وغیرہ۔ لیکن

افادیت کے لحاظ سے اور روزانہ ایک وظیفہ کے طور پر پڑھنے کے لئے درود شریف وہی کار آمد ہے جو زبانی یاد ہو۔ اسکے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ زیادہ تعداد میں پڑھنے کے لئے درود شریف مختصر ہو۔ یہاں ہم چند درود شریف کا ذکر کریں گے جو آسانی سے یاد ہو سکتے ہیں اور پڑھنے میں بھی بہت مؤثر ہیں۔

(1) درود ابراہیمی

صحیح بخاری و مسلم میں یہ حدیث آئی ہے کہ حضرت کعب بن عجرہؓ نے فرمایا کہ (جب یہ آیت جس میں درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے نازل ہوئی تو) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ (آیت میں ہمیں دو چیزوں کا حکم ہے یعنی صلوٰۃ و سلام) سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ (التحیات میں السلام علیک ایھا النبیؐ کہتے ہیں) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ الفاظ کہا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ o اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ o

ترجمہ: اے اللہ حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر صلوٰۃ (رحمت) بھیج۔ جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ کی آل پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجی۔ یقیناً تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔ اے اللہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر برکت بھیج جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ کی آل پر برکت بھیجی یقیناً تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔

یہ درود شریف نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ اسمیں حضرت ابراہیمؑ کا نام آتا ہے اس لئے اسے درود ابراہیمی کہتے ہیں۔ یہ درود تمام درود کے صیغوں سے افضل ہے کیونکہ اس درود کے الفاظ حضور ﷺ کے فرمودہ ہیں۔ اس لئے اس درود پاک کو نماز کے علاوہ کثرت سے پڑھنا دینی و دنیاوی فیوض و برکات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اللہ کی رحمت اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کے تمام کاموں میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور قدم قدم پر اللہ کی مدد شامل حال رہتی ہے۔ حاجات پوری ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ کی شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔ رزق کی تنگی دُور ہو جاتی ہے۔ مال و اسباب میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ خاتمہ بالا یمان ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ آخرت کی زندگی سے متعلقہ تمام منازل آسان ہو جاتی ہیں اور اس درود پاک کو معمول سے پڑھنے والا جنت میں جائے گا۔

میرے ہادیٔ و مرشد جناب غلام رسول شاہد صاحب مندرجہ بالا تمام فوائد کے حصول کے لئے روزانہ دو (۲) تسبیح پڑھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

درود سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ترجمہ: اے اللہ درود (رحمت) بھیج ہمارے سردار محمد ﷺ پر اور ہمارے سردار اور آقا محمد ﷺ کی آل پر اور دے برکت اور بھیج سلام۔

یہ درود پاک سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا خصوصی درود ہے جو عام پڑھنے کے علاوہ حلقہ ذکر نفی اثبات اور فاتحہ شریف کے آغاز اور اختتام پر خصوصی طور پر پڑھا جاتا ہے۔

اس درود پاک میں جب پڑھنے والا اَللّٰھُمَّ صَلِّ کہتا ہے تو اللہ کے فضل و کرم کے سمندر میں قدم رکھ دیتا ہے اور جب وہ نبی اکرم ﷺ کا نام لیتا ہے تو وہ دریائے رسالت کی موجوں میں آ جاتا ہے اور جس وقت وہ علٰی اٰلِ کہتا ہے تو اس پر اہل بیت جیسی عنایات ہونے لگتی ہیں۔

اس درود پاک میں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حروف سیّدنا اور مولٰنا شامل ہیں جو درود کی عظمت کو بڑھاتے ہیں اس کے علاوہ اس میں صلوٰۃ و سلام اور برکت مجموعی طور پر شامل ہونے کے ساتھ ساتھ مختصر بھی ہے جسکی وجہ سے آسانی سے اسکا ورد کیا جا سکتا ہے۔

اس درود پاک کے پڑھنے سے گناہ مٹ جاتے ہیں اور دل کی تمنائیں پوری ہوتی ہیں۔ روح اور دل کو تازگی ملتی ہے۔ دلی مرادیں اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے۔ حضور کی محبت، شفقت اور شفاعت میسر آتی ہے۔

(3) درود خضری

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

ترجمہ: اے اللہ اپنے محبوب محمد ﷺ اور انکی آل پر درود اور سلام بھیج یہ درود اکثر اولیاء کرام کے معمولات میں رہا ہے۔ اور وہ اپنے مریدین کو بھی یہ درود پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ درود الفاظ کے لحاظ سے مختصر ہے۔ مگر معنی کے لحاظ سے جامع ہے۔ اس درود کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس درود کو پڑھنے والا حضور ﷺ کا محبوب غلام بن جاتا ہے اور دین و دنیا میں اسے کسی چیز کی کمی نہیں رہتی اور سکون قلب کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ میں نے قبلہ عبدالستار خانصاحبؒ کی محفل پاک میں ان کو بتایا کہ مجھ کو میرے پہلے مرشد نے یہ درود پاک پڑھنے کا بتایا تو قبلہ خانصاحب نے فرمایا کہ "میں بھی روزانہ اسکی تین تسبیحات پڑھتا ہوں۔"

(4) درود قادریہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

ترجمہ: "اے اللہ درود بھیج ہمارے سردار محمد ﷺ پر جو اُمّی نبی ہیں اور انکی آل پر اور برکت دے اور سلام بھیج۔"

حضرت شاہ ولی اللہؒ دُرِّثمین ص 16 پر تحریر فرماتے ہیں کہ: "مجھے میرے والد نے ان الفاظ کے ساتھ درود پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

میں نے خواب میں اس درود شریف کو حضور اقدس ﷺ کے سامنے پڑھا تو آپ ﷺ نے پسند فرمایا۔

یہ قادریہ سلسلہ کا خصوصی درود ہے اس لئے اسکو درود قادریہ سے موسوم کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے جمعہ کے دن عصر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے ہوئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُ مِّیِّ وَ اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اسّی (۸۸) دفعہ پڑھا اسکے اسّی (۸۰) سال کے گناہ معاف کردیے جائیں گے اور اسکے نامہ اعمال میں اسّی (۸۰) سال کی عبادت کو ثواب لکھا جاتا ہے۔

(5) درود حبیب

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ عَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ

''اے اللہ کے رسول تجھ پر درود اور سلام ہو اور اے اللہ کے حبیب تمھاری آل اور تمھارے صحابہ پر بھی درود او۔ سلام ہو۔''

درود حاضر صیغہ کی صورت میں ہے۔ یہ بھی بڑی فضیلت رکھتا ہے۔ عام مجالس میں یہ پڑھا جاتا ہے۔ خصوصی طور پر جب کوئی خوش نصیب روضہ رسول ﷺ پر حاضر ہو تو وہ وہاں اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ کے الفاظ کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں اپنا نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ روضہ رسول ﷺ کے سامنے جب درود شریف پڑھا جائے تو بڑے مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہو کر دھیمی آواز میں پڑھے۔ جس طرح حضور ﷺ کی زندگی میں انکی مجلس میں اونچی آواز سے بولنے کی ممانعت تھی (دیکھئے سورۃ حجرات) اسی طرح انکی وفات کے بعد انکے روضہ اقدس پر بھی اونچی آواز سے بولنے اور درود و سلام پڑھنے کی ممانعت ہے۔ یہی رسول کریم ﷺ کے ادب کا تقاضا ہے۔

(6) کتاب ''درود شریف سے مشکلات کا حل'' جو ابو خرم رزاقی کی تصنیف ہے۔ میں فضائل درود کے باب میں ایک واقعہ درج ہے جو حسب ذیل ہے۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرامؓ بھی پاس ہی تشریف رکھتے تھے۔ اسی اثنا میں ایک اعرابی آیا اور اُس نے آتے ہی حضور نبی کریم ﷺ کو سلام کرتے ہوئے کہا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَھْلَ الْقُوٰی وَ الْمَشَائِخِ وَالْکِرَامِ السَّادِخِ

حضور نبی کریم ﷺ نے اس اعرابی کو اپنے انتہائی قریب بٹھایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے کہ آپ نے اس شخص کو اپنے انتہائی نزدیک بٹھالیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا! اے ابوبکرؓ۔ جبرائیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ اعرابی مجھ پر درود و سلام بھیجتا رہتا ہے اور ان الفاظ میں درود پاک پڑھتا ہے کہ آج تک کسی دوسرے نے یہ الفاظ استعمال نہیں کیے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ! وہ درود پاک کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ

(7) ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ جب درود پاک پڑھے۔ ہمارے گھرانے پر تو اس درود پاک کا ثواب بہت بڑی تعداد میں دیا جائے تو وہ ان الفاظ سے درود پاک پڑھا کرے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتُ الْمُؤْمِنِیْن وَذُرِّیَّتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ'' مَّجِیْدٌ'' ٥

میرے ہادی و مرشد اپنے مریدین کو ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ درود شریف پڑھنا ہم پر حضور ﷺ کا حق ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' جو کوئی مجھ پر ایک ہزار مرتبہ درود پڑھے گا۔ تاوقتیکہ وہ جنت میں اپنا مقام نہ دیکھ لے اس وقت تک انتقال نہیں کرے گا۔

عام طور پر زیادہ مقدار میں درود شریف پڑھنے کے لئے مختصر الفاظ والے درود کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کے لیے ہمارے سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَارِکْ وَسَلِّمْ یا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھنا بتایا جاتا ہے۔ بعض اوقات بھائیوں کو درود شریف کا پاس انفاس کرنا بھی بتایا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ وہ بھائی جو زیادہ دیر کسی عارضہ کی وجہ سے باوضو حالت میں نہیں رہ سکتے اُنکو بھی درود پاک کے پاس انفاس کے ذریعے مطلوبہ تعداد پوری کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ جب سانس اندر جائے تو صَلِّ علٰی اور جب سانس باہر نکلے تو سانس لفظ مُحَمَّدٍ ادا کرے۔

یہ نقطہ قابل توجہ ہے کہ سورۃ احزاب کی آیت نمبر **56** میں صلوٰۃ و سلام کے بارے میں اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے رحمت و سلامتی کی دعا کریں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقصود آیت کا تو یہ تھا کہ ہم آپکی تعظیم و تکریم کا حق خود ادا کریں۔ مگر سوائے درود حبیب کے تمام درود شریف میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری طرف سے صلوٰۃ و سلام حضور ﷺ تک پہنچادے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی شان کتنی اونچی ہے۔ اُنکا مرتبہ کتنا بلند وارفع ہے یہ ہماری سوچ اور گمان سے ماورٰی ہے جیسے فارسی کے شعر ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی ذات کے بعد سب سے بزرگ ہستی نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور یہ استدعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو حضور نبی کریم ﷺ کو ہماری طرف سے درود سلام کا نذرانہ (یعنی اپنی رحمتیں) اس طرح پہنچا جیسا اُنکے شایانِ شان ہے کیونکہ ہم انکی شان کی بلندی کی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ جنکی خاطر تو نے یہ زمین و آسمان تخلیق فرمائے۔

درود ابراہیمی میں ہم اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ اور انکی آل کی مثال نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ کہ انکی اور انکی آل پر نازل کی ہوئی رحمتوں اور سلامتی کا جو معیار ہے اس معیار کی سلامتی اور رحمتیں حضور نبی کریم ﷺ اور انکی آل پر نازل فرما۔ اُنکی سلامتی کا معیار یہ ہے کہ نارِ نمرود کو یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْداً وَّ سَلَاماً عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ کہہ کر اُنکے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا اور انکو اس کے نقصان سے محفوظ رکھا۔ پھر اپنے معصوم لختِ جگر حضرت اسماعیلؑ اور انکی والدہ حاجرہؑ کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں ایک جنگل بیابان وادی مکہ میں چھوڑ آئے تو اُن ماں بیٹے کی بھوک اور پیاس کو مٹانے کے اور انکی سلامتی کے لیے آبِ زم زم کا چشمہ جاری فرمایا اور اس پانی میں بھوک اور پیاس مٹانے کی صفت رکھی۔ جب حضرت اسماعیلؑ اس قابل ہوئے کہ والد کا ہاتھ بٹا سکیں تو اللہ کی طرف سے انکی قربانی کرنے کا حکم ہوا تو دونوں باپ بیٹے اطاعت وفرمانبرداری کا پیکر بن کر لبیک کہتے ہوئے اس کام کو کرنے پر تیار ہوگئے لیکن اللہ تعالیٰ نے جنت سے ایک دنبہ بھیج کر اسماعیلؑ کو سلامت رکھا اور حضرت ابراہیمؑ کو امتحان میں کامیابی کی نوید قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا کہہ کر سنائی۔ اور یہ اس لئے کہ اسی بیٹے کی پشت سے نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہونا تھا۔ یہ سب کرم نوازیاں اور سلامتیاں ایک اعلیٰ معیار رکھتی ہیں اس لئے ہم ابراہیم والی سلامتی۔ رحمت اور برکت کو ایک معیار کے طور پر پیش کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے لئے بھی اللہ کے حضور دعا گو ہوتے ہیں کہ وہ اس معیار کی سلامتی۔ رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

قبلہ غلام رسول شاہد صاحب (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ) کا فرمان ہے کہ اللہ کے ہاں دو چیزوں کی مقبولیت ایک یقینی امر ہے۔ ایک درود شریف اور دوسرا ایصال ثواب اسی سلسلہ میں ترمذی شریف کی ایک حدیث میں حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتی ہے۔ اوپر نہیں جاتی جب تک کہ اپنے نبی ﷺ پر درود نہ پڑھو۔ اسی طرح ایک حدیث میں روزوں کے بارے میں بھی آتا ہے کہ جب تک صدقہ فطر ادا نہ کیا جائے روزے معلق رہتے ہیں۔

درود پاک اور ذکر الٰہی دو ایسے اوراد ہیں جنکے پڑھنے اور کرنے کی نہ کوئی مقدار معین ہے اور نہ ہی کوئی وقت۔ جتنی کثرت کی جائے گی۔ اتنے ہی درجات کی بلندی ہوگی اور انعامات سے نوازا جائے گا۔ درود پاک کی مقدار کے بارے ترمذی شریف میں ایک حدیث حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! میں آپ پر کثرت سے درود پڑھنا چاہتا ہوں۔ اب اسکے لئے اور اپنے اور اوراد ووظائف کے لئے کتنا وقت مقرر کروں؟ ارشاد فرمایا۔ جتنا تم چاہو۔ میں نے عرض کیا چوتھائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا چاہو اور اگر زیادہ کرلو تو تمہارے لئے اور بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا۔ نصف؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جتنا تم چاہو اور اگر اس سے بھی زیادہ کرلو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا۔ تو پھر میں سارا وقت درود پاک ہی کے لئے مقرر کرلوں؟ حضور ﷺ ارشاد فرمایا۔ ایسا ہو تو وہ تمہارے کاموں کے لئے کافی ہوگا اور تمہارے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

اسی طرح قرآن پاک میں ذکر کثیر کے بارے میں بہت سی آیات موجود ہیں۔ مثلاً

(۱) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوْا اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً o (احزاب:۴۱)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو۔''

(۲) وَ اذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْراً وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِبْکَارِ o (آل عمران:۴۱)

ترجمہ: ''اور کثرت سے اپنے رب کو یاد کیا کیجئے اور صبح وشام تسبیح کیا کیجئے۔''

گویا اگر درود پاک کا پڑھنا حضور ﷺ سے محبت اور عقیدت کا اظہار ہے تو ذکر الٰہی بھی اللہ تعالیٰ سے محبت اور تعلق کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ ہم کو دونوں اوراد کو کثرت سے کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین) ❀

حضور ﷺ کے معمولات وضو

عادتاً ہر نماز کے لیے حضور ﷺ نیا وضو کرتے عرصہ تک یہی معمول رہا لیکن بعد میں ایک وضو سے کئی کئی نمازیں پڑھ لیتے تھے۔ وضو میں بالعموم پہلے تین بار ہاتھ دھوتے، پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے اس کے بعد تین بار منہ اور ہاتھ (کہنیوں تک) دھوتے، سر کا مسح کرتے اور تین بار پاؤں کو دھوتے۔ بعض اوقات کسی عضو کو تین بار، کسی عضو کو دو بار اور کسی عضو کو ایک بار دھوتے۔ (سیرۃ النبی ج ۲ ص ۲۱۵ بحوالہ صحیح مسلم)

معمولات نماز

حضور ﷺ سنن ونوافل بالعموم گھر ہی میں ادا فرماتے۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی اٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ پڑھتے پھر مسجد میں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو فجر کے دو فرض پڑھاتے۔ فرض کی دو رکعتوں میں طویل سورتیں پڑھتے۔ ظہر کی فرض نماز کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں کے برابر اور دوسری رکعت میں پندرہ آیتوں یا اس کے نصف کے برابر پڑھا کرتے تھے۔ عصر کی دونوں پہلی رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے۔ اور اخیر کی دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کی نصف مقدار رہ جاتی تھی۔ مغرب کی نماز میں والمرسلات اور سورہ طور پڑھتے تھے۔ عشاء کی نماز میں والتین والزیتون اور اسی کے برابر کی سورتیں پڑھتے تھے تہجد کی نماز میں طویل سورتیں پڑھتے تھے مثلاً سورۃ بقرہ سورہ آل عمران سورہ نساء۔

محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

☆ زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ انسانوں کی طبائع، ان کے افکار اور ان کے نقطہ ہائے نگاہ بھی زمانے کے ساتھ ہی بدلتے رہتے ہیں۔ لہذا تہواروں کے منانے کے طریقے اور مراسم بھی ہمیشہ متغیر ہوتے رہتے ہیں اور ان سے استفادہ کے طریق بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اپنے مقدس دنوں کے مراسم پر غور کریں اور جو تبدیلیاں افکار کے تغیرات سے ہوئی لازم ہیں ان کو مدنظر رکھیں۔

منجملہ ان مقدس ایام کے جو مسلمانوں کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں، ایک میلاد النبی کا دن بھی ہے۔ میرے نزدیک انسانوں کی دماغی اور قلبی تربیت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ان کے عقیدے کی رو سے زندگی کا جو نمونہ بہترین ہو وہ ہر وقت ان کے سامنے رہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے لیے اسی وجہ سے ضروری ہے کہ وہ اسوہ رسول کو مدنظر رکھیں تاکہ جذبہ تقلید اور جذبہ عمل قائم رہے۔ ان جذبات کو قائم رکھنے کے تین طریقے ہیں۔ پہلا طریق تو درود و صلوٰۃ ہے جو مسلمانوں کی زندگی کا جزو لاینفک ہو چکا ہے وہ ہر وقت درود پڑھنے کے موقعے نکالتے ہیں۔ عرب کے متعلق میں نے سنا کہ اگر کہیں بازار میں دو آدمی لڑ پڑتے ہیں، اور تیسرا بآواز بلند اللّٰھُمَّ صلِّ علیٰ سیّدنا محمد وبارِک وسلِّم پڑھ دیتا ہے تو لڑائی فوراً رک جاتی ہے۔ اور متخاصمین ایک دوسرے پر ہاتھ اٹھانے سے فوراً باز آ جاتے ہیں۔ یہ درود کا اثر ہے۔ اور لازم ہے کہ جس پر درود پڑھا جائے اس کی یاد قلوب کے اندر اپنا اثر پیدا کرے۔

تیسرا طریق اگرچہ مشکل ہے لیکن بہرحال اس کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ وہ طریقہ ہے کہ یاد رسول اس کی کثرت سے اور ایسے انداز میں کی جائے کہ انسان کا قلب نبوت کے مختلف پہلوؤں کا خود مظہر ہو جائے یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے کی جو کیفیت حضور سرور عالم کے وجود مقدس سے ہویدا تھی وہ آج تمہارے قلوب کے اندر پیدا ہو جائے۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

آدمی دید است باقی پوست است

دید آں باشد کہ دید دوست است

یہ جوہر انسانی کا انتہائی کمال ہے کہ اسے دوست کے سوا اور کسی چیز کی دید سے مطلب نہ رہے۔ یہ طریقہ بہت مشکل ہے۔ کتابوں کو پڑھنے یا میری تقریر سننے سے نہیں آئے گا۔ اس کے لیے کچھ مدت نیکوں اور بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر روحانی انوار حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو پھر ہمارے لیے یہی طریقہ غنیمت ہے جس پر ہم آج عمل پیرا ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس طریق پر عمل کرنے کے لیے کیا کیا جائے؟ پچاس سال سے شور برپا ہے کہ مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے تعلیم سے زیادہ اس قوم کی تربیت ضروری ہے اسلام ایک خالص تعلیمی تحریک ہے۔ صدر اسلام میں اسکول نہ تھے، کالج نہ تھے، یونیورسٹیاں نہ تھیں، لیکن تعلیم و تربیت اس کی ہر چیز میں ہے۔ خطبہ جمعہ، خطبہ عید، حج، وعظ غرض تعلیم و تربیت عوام کے بے شمار مواقع اسلام نے بہم پہنچائے ہیں۔ لیکن افسوس کہ علماء کی تعلیم کا کوئی صحیح نظام قائم نہ رہا۔ اور اگر کوئی رہا بھی تو اس کا طریق عمل ایسا رہا کہ دین کی حقیقی روح نکل گئی۔ جھگڑے پیدا ہو گئے اور علماء کے درمیان جنہیں پیغمبر علیہ السلام کی جانشینی کا فرض ادا کرنا تھا، سر پھٹول ہونے لگی۔ مصر، عرب، ایران، افغانستان ابھی تہذیب و تمدن میں ہم سے پیچھے ہیں لیکن وہاں علماء ایک دوسرے کا سر نہیں پھوڑتے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک نے اخلاق کے اس معیار اعلیٰ کو پالیا ہے جس کی تکمیل کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تھے۔ اور ہم ابھی اس معیار سے بہت دور ہیں۔

دنیا میں نبوت کا سب سے بڑا کام تکمیل اخلاق ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا: بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ یعنی میں نہایت اعلیٰ اخلاق کے اتمام کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اس لیے علماء کا فرض ہے کہ وہ رسولؐ اللہ کے اخلاق ہمارے سامنے پیش کیا کریں تاکہ ہماری زندگی حضورؐ کے اسوہ حسنہ کی تقلید سے خوشگوار ہو جائے اور اتباع سنت زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں تک جاری و ساری ہو جائے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے سامنے خربوزہ لایا گیا تو آپؒ نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے معلوم نہیں رسول اللہ نے اس کو کس طرح کھایا ہے۔ مبادا میں ترک سنت کا مرتکب ہو جاؤں۔

کامل بسطام در تقلید فرد

اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

افسوس کہ ہم میں بعض چھوٹی چھوٹی باتیں بھی موجود نہیں ہیں جن سے ہماری زندگی خوشگوار ہو اور ہم اخلاق کی فضا میں زندگی بسر کر کے ایک دوسرے کے لیے باعث رحمت ہو جائیں۔ اگلے زمانے کے مسلمانوں میں اتباع سنت سے ایک اخلاقی ذوق اور ملکہ پیدا ہو جاتا تھا اور وہ ہر چیز کے متعلق خود ہی اندازہ کر لیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا رویہ اس چیز کے متعلق کیا ہوگا۔

حضرت مولانا رومؒ بازار میں جا رہے تھے۔ آپ کو بچوں سے بہت محبت تھی، کچھ بچے کھیل رہے تھے، ان سب نے مولاناؒ کو سلام کیا، اور مولانا ایک ایک کا سلام الگ الگ قبول کرنے کے لیے دیر تک کھڑے رہے، ایک بچہ کہیں دور کھیل رہا تھا، اس نے وہیں سے پکار کر کہا کہ حضرت! ابھی جائیے گا نہیں، میرا سلام لیتے جائیے۔ تو مولانا نے بچہ کی خاطر دیر تک توقف فرمایا اور اس کا سلام لے کر گئے۔ کسی نے پوچھا، حضرت! آپ نے بچہ کے لیے اس قدر توقف کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو اس قسم کا واقعہ پیش آتا تو حضورؐ بھی یونہی کرتے۔

گویا ان بزرگوں میں تقلید رسول اور اتباع سنت سے ایک خاص اخلاقی ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں۔ علماء کو چاہیے کہ ان کو ہمارے سامنے پیش کریں۔ قرآن و حدیث کے غوامض بتانا بھی ضروری ہے لیکن عوام کے دماغ ابھی ان مطالب عالیہ کے متحمل نہیں۔ انہیں فی الحال صرف اخلاق نبوی کی تعلیم دینی چاہیے۔ ❁

حکمرانوں کا طرز زندگی، طبقہ امراء اور اسوۂ رسول ﷺ

محمد جمیل

☆ خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے دنیا میں جو ادیان اور انبیاء بھیجے گئے، ان کا مقصد انسانوں کی رہنمائی، ان کی فلاح، اخلاقی اقدار کا فروغ، انسان اور خالق باری تعالیٰ سے تعلق، انسان اور انسان کے مابین محبت اور اخوت کے رشتوں کو استوار کرکے معاشرے میں امن و آشتی، بھائی چارے اور احترام آدمیت کا پیغام دینا تھا۔ اسلام نے روحانیت کے ساتھ ساتھ خصوصی طور پر علم کی فضیلت، تسخیر کائنات، تفکر و تعمق اور معاشرے میں عدل اجتماعی کے حوالے سے انسانوں کی مادی ضروریات پوری کرکے عوام کی خوشحالی کا تصور پیش کیا۔ آخری شریعت ہونے کے حوالے سے اجتہاد جیسا رہنما اصول لازم ٹھہرا تاکہ بدلتے ہوئے ادوار، سماج، ایجادات اور جدید علوم کی روشنی میں قرآن حکیم فرقان مجید کی تعبیر و تشریح ممکن ہوسکے۔ تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اجتہاد کے دروازے جب تک کھلے رکھے۔ ترقی اور فتح و کامرانی ان کا مقدر رہی۔ اہل دانش کا یہ کہنا بالکل درست ہے۔ کہ کوئی قوم اس وقت تک ہی دنیا میں سرفراز رہتی ہے۔ جب تک علم و فن کے میدان میں اس کی امامت کا سکہ چلتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں انسان کی دو بنیادی ضرورتیں ہیں۔ ایک طرف جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھنے کیلئے اسے مادی وسائل درکار ہیں۔ تو دوسری طرف انفرادی اور اجتماعی زندگی کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے اخلاقی اور تمدنی اصولوں کی ضرورت ہے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اسلامی ریاست کا وجود برسراقتدار یا حکمران طبقات کے مفادات کے تحفظ کے لئے نہ تھا بلکہ اس کی غرض وغایت غیر عادلانہ نظام کا خاتمہ کرکے سماج کے مختلف طبقوں میں مساوات قائم کرنا تھا۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی حکومت کا بنیادی مقصد یہ بتاتے ہیں۔ ''اور تم میں جو بے اثر ہیں، میرے نزدیک وہ با اثر ہیں۔ یہاں تک کہ میں ان کا حق واپس دلا دوں اور تم میں جو با اثر ہیں وہ میرے نزدیک بے اثر ہیں۔ یہاں تک کہ میں ان سے دوسروں کا حق وصول نہ کرلوں''۔ درحقیقت اسلام کا مقصد ہی انسانی معاشرے سے افراط و تفریط اور ناہمواریوں کا خاتمہ تھا، جن کی وجہ سے مفاسد وجود میں آتے ہیں۔ قرآن حکیم میں یہ ارشاد باری تعالیٰ کسی وضاحت اور تفسیر کا محتاج نہیں کہ ''اے رسول ﷺ لوگ پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کیا جائے، تو کہہ دے جو بھی ضرورت سے زیادہ ہے۔ سب کا سب''۔ آج کے معیار زندگی کو بھی بنیاد تصور کیا جائے تو ایک گھر، ایک کار اور دوسری ضروریات کی اشیاء ایک گھرانے کے لئے کافی ہونگی، لہٰذا جب کئی کئی کوٹھیاں اور کاروں کے فلیٹ رکھے جائیں گے تو اسی نسبت سے عوام اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے سے بھی محروم ہوجائیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔ ''جہاں ارتکاز زر دیکھو تو سمجھو کہ کسی کا حق مارا گیا ہے''۔ پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے، ''اے اللہ، مجھے مسکین رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر''۔ رہبر اعظم، کمانڈر انچیف، سربراہ مملکت اور جدید ملت کے بانی ہونے کے باوجود وصال کے وقت انہوں نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا حالانکہ نبوت کے اعلان کے وقت تک انہوں نے ایک خوشحال زندگی گزاری تھی۔ انہوں نے حکمرانوں کی جاہ و حشمت ٹھاٹھ باٹ اور شان و شوکت کو چھوڑ کر رضا کارانہ طور پر سادہ زندگی اپنائی اور امت اور آنے والے حکمرانوں کے لئے خود کو مثال بنا کر پیش کیا اور تمام عمر انصاف کی فراہمی، قانون کی بالادستی اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہے اور کامیاب و کامران ٹھہرے۔

ارشاد ربانی ہے: کہ

''یقیناً ہر شخص کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین اسوہ ہے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو''۔ لہٰذا جو شخص دنیا اور آخرت کے معاملات میں سرخرو ہونا چاہتا ہو۔ اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ رسول اعظم حضرت محمد ﷺ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرے۔ اسلام کی نگاہ میں آپ ﷺ کی حیات ایک مسلمان کے لئے کامل نمونہ ہے: ''لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوہ حسنہ'' لہٰذا عام انسانوں کے علاوہ حکمرانوں کے لئے بھی ضروری ہے بلکہ بہت زیادہ ضروری ہے کہ وہ ان کی پیروی کریں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوذر اگر احد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا ہوجائے تو کبھی پسند نہ کرونگا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار میرے ہاتھوں میں رہ جائے، البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لئے کچھ چھوڑ دوں''۔ اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ حکمران یا حکمران طبقات بڑے

بڑے محلات اور کئی کئی کنال کی کوٹھیوں میں رہیں اور انہیں زندگی کی تمام سہولتیں اور آسائشیں وافر مقدار میں میسر ہوں اور دوسری جانب عوام کی اکثریت کے پاس تن ڈھانپنے کے لئے مناسب کپڑا ہو نہ رہنے کے لئے جھونپڑا اور وہ دو وقت کی روٹی کے محتاج ہوں تو ان کے احساس محرومی سے معاشرہ درہم برہم ہوسکتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارا ایمان ہے کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ اور اسوہ حسنہ ہمارے لئے بہترین ماڈل ہے تو وہ لوگ جو بغیر کسی حد کے دولت کے انبار اکٹھے کرنے، جائیدادیں بنانے اور وسیع وعریض اراضی کو ملکیت میں رکھنے کو درست قرار دیتے ہیں۔ ان کے متعلق کیا کہا جائے؟ اس بارے میں دو آراء نہیں کہ اسلام کی صحیح تعبیر کی مظہر خود نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ ہے اور دوسرا کوئی بھی تصور (خواہ بڑے سے بڑا عالم پیش کرے) اسلام کے تصور حق کے خلاف ہے۔ اسلام میں اثاثے رکھنے کی شرط یہ ہے کہ اس سے معاشرے کے افراد استفادہ کریں اور نہ صرف اس پر زکوٰۃ ادا کی جائے بلکہ معاشرے میں تعلیم صحت اور روزگار کے مواقع پیدا کئے جائیں یعنی وہ بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے وقف ہو۔

قرآن حکیم فرقان مجید میں واضح طور پر آیا ہے کہ زمین اللہ کی ہے اور احادیث میں بھی یہ وضاحت موجود ہے کہ غیر حاضر زمینداری ربا کے زمرے میں آتی ہے۔ لہٰذا جاگیرداری کا تصور بھی اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ اسی فرسودہ نظام کی وجہ سے آج کا انسان انتشار زدہ شخصیت کا حامل ہے۔ سماجی بے اطمینانی، معاشرتی کشمکش، بے راہ روی، جرائم، خودکشی کے واقعات اور ذہنی امراض جس تیزی سے بڑھ رہے ہیں یہ سب کچھ غیر منصفانہ اور غیر متوازن نظام کی پیداوار ہے۔

اسلام ایک معتدل اور ترقی پسند (مروجہ تعریف کے حوالے سے نہیں) مذہب ہے۔ انتہا پسندی، رجعت پرستی اور تنگ نظری کی اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ سماجی اور معاشی مساوات، شخصی آزادیاں، انسانی حقوق، عدل وانصاف اور دولت اور پیداوار کی منصفانہ تقسیم اس عظیم انقلاب کے بنیادی اصول تھے اور ہیں، کئی صدیاں گزرنے کے بعد بھی قابل عمل ہیں اور دوسری قوموں نے مستعار لے کر ان سے استفادہ بھی کیا ہے۔ بہرکیف ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے علمائے کرام اور اہل دانش ہر مسئلہ میں سنت کی پیروی کی بات کرتے ہیں۔ تو پھر دولت کے انبار لگانے والوں شاہانہ طرز زندگی بسر کرنے والے حکمرانوں کو تلقین کیوں نہیں کرتے کہ وہ سادگی کو شعار بنائیں اور معاشرے کے کچلے ہوئے افراد کو بھوک، ننگ اور افلاس سے نجات دلانے کے سلسلے میں بھی آپ ﷺ کی پیروی کریں۔ ❁

سیرت رسول ﷺ کے روشن پہلو

محمد طارق

☆ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ہم نے آپ ﷺ کو دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

پیارے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ پر نظر دوڑائیں تو ہمیں خیر و رحمت کا ایک سمندر موجزن نظر آئے گا کیونکہ آپ ﷺ کی زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر کا نمونہ ہے۔

زمانہ امن ہو یا جنگ کے بادل منڈلا رہے ہوں ،تجارتی لین دین ہو یا سیاست کا میدان، گھریلو زندگی ہو یا خارجی معاملات ہوں، غم ہو یا خوشی کا کوئی موقع، تنگ دستی ہو یا آسودگی یا خلوت وجلوت، الغرض زندگی کے ہر میدان میں ہر موقع پر اور ہر جگہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے اور ہماری رہنمائی کیلئے موجود ہے۔

یہ آپ ﷺ کی تعلیمات ہی تھیں کہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ پر جان چھڑکتے تھے اور دیوانہ وار آپ ﷺ کی محبت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے لیکن اس وقت تعظیم وتکریم کا پہلو ہمیشہ ان کے مدنظر رہتا تھا اور وہ آپ ﷺ کو اپنی جان اور اولاد سے بڑھ کر محبوب تصور کرتے تھے اور کیوں نہ کرتے؟ آپ ﷺ بھی اپنے صحابہ کرامؓ سے بے پناہ محبت وخلوص اور ہمدردی سے پیش آتے تھے۔

کائنات کے سارے خزانے آپ ﷺ کے ایک اشارے کے منتظر رہتے ،وہ جنہوں نے سورج کو پلٹا دیا اور جن کو گواہی دینے کیلئے کنکریاں بھی بند مٹھی میں بول پڑیں ،ذرا غور کیجئے کہ جن کے تصرف میں زمانے کے سارے خزانوں کی کنجیاں تھیں ۔یہ 9 ہجری کا واقعہ ہے۔جب سارے عرب یمن اور بحرین پر فتح پالی گئی اور خزانے میں میں خراج اور اموال غنیمت جمع ہو رہے تھے۔''ایک دن حضرت عمر فاروقؓ حضور ﷺ کی بالا خانے والی کوٹھڑی میں حاضر خدمت ہوئے۔دیکھا کہ سید عرب وعجم حضرت محمد ﷺ کے جسم اطہر پر صرف ایک تہبند ہے۔ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں۔ایک کھڑی چارپائی ہے ۔سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے۔جس میں خرمے کی چھال بھری ہوئی ہے۔اور پشت مبارک پر چارپائی کے بان کی بدھیاں پڑ گئی ہیں ۔حضور ﷺ کا یہ حال دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ اشک بار ہو گئے اور عرض کیا۔

یا رسول ﷺ یہ آپ کا کاشانہ اقدس ہے اور یہ اس کا سامان، قیصر وکسریٰ تو دنیا کے مزے لوٹیں اور اللہ کے برگزیدہ رسول ﷺ کے گھر یہ حال ہو۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔

اے عمر! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت (صحیح بخاری)۔

سبحان اللہ۔یہ تھی ہمارے پیارے نبی ﷺ کی زندگی۔آپ دنیا کی زندگی کو کبھی اہمیت نہ دیتے تھے۔اس عارضی زندگی کے مقابلے میں ہمیشہ آخرت کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ بورے پر استراحت فرما رہے تھے اٹھے تو جسم اطہر پر بورے کے نشان پڑ گئے تھے۔صحابہؓ نے عرض کیا۔یا رسول اللہ ﷺ اگر اجازت ہو تو ہم کوئی گدا پیش کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا۔

میرا دنیا سے کیا کام؟ میرا تو دنیا سے صرف اتنا تعلق ہے جیسے کوئی مسافر تھوڑی دیر کیلئے کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جائے اور پھر اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جائے'' (جامع ترمذی)

آپ ﷺ کی زندگی سے ایک طرف تو ہمیں یہ سبق ملتا ہے۔کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے لیکن دوسری طرف روزمرہ زندگی میں دوسروں کی محتاجی سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔اور روزمرہ معاملات کے تمام امور بذات خود سرانجام دینے میں دلچسپی رکھتے تھے۔

طبقات ابن سعد میں ہے۔''ایک مرتبہ اثنائے سفر میں حضور کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا۔آپ ﷺ درست کرنے لگے تو ایک صحابیؓ نے عرض کیا'''' یا رسول ﷺ میں ٹانک دوں فرمایا'' نہیں''، تشخص پسندی مجھے پسند نہیں ہے۔چنانچہ آپ نے خود تسمہ ٹانکا (طبقات ابن سعد)

اسی طرح ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت خباب بن الارت مدینے سے دور ایک سریہ پر گئے۔ان کے گھر میں اور کوئی مرد نہیں تھا اور عورتیں جانوروں کا دودھ دوہنا نہیں جانتی تھیں۔حضور ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ بہ نفس نفیس ہر روز حضرت خبابؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کے جانوروں کا دودھ دوہ دیا کرتے۔(طبقات ابن سعد)

آپ ﷺ کی زندگی انکسار، سادگی، تواضع، مساوات اور زہد وقناعت کا مجموعہ تھی۔آپ نے اپنی زندگی کا جو عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔اس کی نظیر پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

آپ ﷺ نے غریبوں کی دستگیری اور یتیموں کی سرپرستی فرمائی۔اگر مسلمان بھوکے ہیں تو آپ نے بھی کئی کئی روز فاقہ کی حالت میں گزار دیئے۔کبھی بھی اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا کہ آپ ان سے الگ ہیں۔آپ ﷺ بازاروں میں جا کر دیکھ رہے ہیں کوئی ناپ تول میں کمی تو نہیں کر رہا۔مریضوں کی عیادت کیلئے ان کے گھر پیدل جا رہے ہیں۔کوئی مر جاتا تو گھر سے پیدل قبر تک جنازے میں شرکت فرما رہے ہیں۔گھر کے کام کاج میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹا رہے ہیں اور کبھی ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بازار سے سودا سلف خرید کر لا رہے ہیں۔آیات الٰہی بھی لوگوں کو سنا رہے ہیں اور مہمانوں کی خدمت بھی

بنفس نفیس فرما رہے ہیں اور حج کے ارکان بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر ادا کر رہے ہیں۔ جب ماہ رمضان آتا ہے تو سحری و افطار کے ساتھ پورے اہتمام سے روزے بھی رکھ رہے ہیں اور صحابہ اکرامؓ کے ساتھ دین و دنیا کے معاملات پر گفتگو بھی ہوتی رہتی ہے۔ گویا آپ ﷺ کی زندگی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ آپ ﷺ کے تمام معاملات اور عبادات ہر ایک کے سامنے تھے۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ آپ ﷺ ان سے الگ ہیں اور آپ برتر ہیں اور وہ کمتر۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے واقعہ کے بعد سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

''ہجرت کے بعد پہلے مسجد قبا اور پھر مسجد نبوی تعمیر ہوئی تو حضور ﷺ نے اس کی تعمیر میں عام لوگوں کی طرح حصہ لیا۔ آپ صحابہؓ کے ساتھ مل کر گارا ڈھوتے اور دیواریں اٹھاتے تھے۔ وہ عرض کرتے۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ رہنے دیں۔ ہم یہ کام خود کر لیں گے۔ لیکن آپ ﷺ فرماتے نہیں۔ میں تمہارے شانہ بشانہ کام کروں گا۔ اس طرح غزوہ خندق کے موقع پر آپ صحابہؓ کے ساتھ مل کر خندق کھودتے تھے۔ جسم اطہر مبارک گرد و غبار سے اٹ جاتا تھا اور آپ تھکن سے چور چور ہو جاتے تھے لیکن کھدائی کا کام برابر جاری رکھتے تھے۔ حالانکہ اردگرد سینکڑوں جان نثار موجود تھے اور آپ ﷺ سے بار بار کام چھوڑنے کی التجا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنے آپ کو صحابہ کرامؓ سے ممتاز کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی آپ ﷺ نے کوئی ایسا کام کیا، جس سے یہ ظاہر ہو۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کسی غزوے میں تشریف لے جا رہے تھے۔ سفر کے دوران ایک مقام پر بکری ذبح کرنے اور پکانے کی تجویز ہوئی۔ صحابہ کرامؓ نے آپس میں کام بانٹ لئے۔ ایک صاحب نے کہا میں اس کو ذبح کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں اس کا گوشت بناؤں گا۔ تیسرے نے کہا میں اسے پکاؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں آگ جلانے کیلئے لکڑیاں لاؤں گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا'' یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ ﷺ تشریف رکھیئے۔ ہم سب کام کر لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے آپ کو ممتاز کروں۔

ان ہشام کہتے ہیں کہ حضرت عدیؓ بن حاتم طائی قبول اسلام سے پہلے بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کا نام پوچھا اور پھر ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر کاشانہ اقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک غریب بوڑھی عورت اور پھر نو عمر لڑکے نے آپ ﷺ کو روک لیا اور دیر تک آپ سے باتیں کرتے رہے۔ جب انہوں نے از خود ختم کی تو حضور ﷺ آگے روانہ ہوئے۔ حضرت عدیؓ یہ واقعہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور دل میں خیال کیا کہ یہ طرز عمل کسی دنیوی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا۔ گھر پہنچ کر حضور ﷺ نے حضرت عدیؓ کو بہ اصرار چمڑے کے گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ کا اخلاق کریمانہ دیکھ کر حضرت عدیؓ کو پختہ یقین ہو گیا کہ آپ دنیا کے دوسرے بادشاہوں کی طرح نہیں ہیں پھر حضور ﷺ کے کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے (ابن ہشام)

آپ ﷺ کی نرمی اور شفقت کا ایک اور واقعہ صحیح بخاری میں ہے'' ایک دفعہ حضور ﷺ کے پاس کہیں سے چادریں آ گئیں۔ آپ ﷺ نے ان میں سے اکثر تقسیم فرما دیں۔ اور پھر گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک صحابی حضرت مخرمہؓ اپنے بیٹے مسورؓ کے ہمراہ اپنا حصہ لینے پہنچے مخرمہؓ نے اپنے کمسن فرزند سے کہا رسول اللہ ﷺ کو آواز دے کر بلاؤ۔

مسورؓ نے کہا: ابا جان میری کیا حیثیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو آواز دوں؟ مخرمہؓ نے کہا۔ رسول اللہ ﷺ جبار نہیں ہیں۔ اس پر مسورؓ نے جرات کر کے آواز دی حضور ﷺ فوراً باہر تشریف لے آئے اور ان کو دیا کی قبا عنایت فرمائی۔ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ نرم گفتار ہونے کے ساتھ ساتھ سادگی میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اس بارے میں چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں۔

بخاری شریف کی حدیث مبارکہ ہے۔

سرور دو عالم ﷺ اکثر موٹے اور کھردرے کپڑے کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ کا کوئی کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا گیا۔ یعنی آپ ﷺ کے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا۔ دوسرا نہیں تھا۔ جو تہہ کر کے رکھا جاتا۔ (ابن ماجہ)

ایک اور حدیث پاک میں ہے۔

'' سید عرب و عجم ﷺ کا مسکن چند چھوٹے چھوٹے حجروں پر مشتمل تھا۔ انہی میں ازواج مطہرات رہتی تھیں۔ ہر حجرے کی وسعت تین ساڑھے تین گز کے قریب تھی۔ ان کی اونچائی بس اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر ہاتھ بلند کرتا تو چھت کو چھو جاتا۔ حجروں کی دیواریں مٹی کی تھیں اور ان پر کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں کی چھت تھی۔ ان حجروں کے ساتھ نہ کوئی صحن تھا اور نہ دالان۔ مٹی کی دیواروں میں بعض اوقات شگاف پڑ جاتے تھے جن سے دھوپ اندر آتی تھیں۔ بارش میں بالوں کے کمبل حجروں کے گرد لپیٹنے پڑتے تھے۔ تاکہ پانی اندر نہ آئے۔ ہر حجرے کے دروازے پر ٹاٹ یا کپڑے کا پردہ ایک پٹ کا کواڑ تھا۔

ان حجروں کے علاوہ ایک معمولی سا بالا خانہ تھا (سنن ابوداؤد۔ ادب المفرد و بخاری)

حضور ﷺ کی حیات مبارکہ سے ایک واقعہ حدیث شریف میں ہے۔ حضور ﷺ گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند لگا لیتے، جوتا پھٹ جاتا تو اس کو گانٹھ لیتے، گھ [illegible] دے لیتے، بازار سے سودا سلف لاتے، کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ صحابہؓ کے

درمیان اس طرح گھل مل کر بیٹھتے کہ کوئی اجنبی آپ ﷺ کو پہچان نہ سکتا۔'' (شمائل ترمذی)

ابن ماجہ میں ہے کہ

''لوگ آپ ﷺ کی تعظیم کیلئے اٹھتے تو آپ اسے ناپسند فرماتے اور ان کو ایسا کرنے سے منع فرماتے۔ (ابن ماجہ)

سرور دو عالم ﷺ حجتہ الوداع کیلئے تشریف لے گئے تو آپ کی سواری کا کجاوہ چار درہم سے زیادہ کا نہ تھا اور اتنی ہی قدر و قیمت اس چادر کی تھی۔ جو اس موقع پر آپ ﷺ اوڑھے ہوئے ۔طبقات ابن سعد)

سبحان اللہ: آپ دو جہانوں کے بادشاہ لیکن طرز زندگی ایسا کہ نمود و نمائش اور بناٹ سے یکسر خالی۔ علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرت النبی ﷺ'' میں حضور ﷺ کی شان جہاں بانی کو بڑے بلیغ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ پیغمبروں میں عیسیٰ بھی گزرے ہیں۔ اور موسیٰ اور داؤد سلیمانؑ بھی جو قوموں اور ملکوں کی قسمت کے مالک لیکن محمد رسول اللہ ﷺ عیسیٰ اور یحییٰ بھی اور داؤد اور موسیٰ بھی عرب کے خزانے دست تصرف میں لیکن کاشانہ نبوت میں نہ کوئی نرم بستر تھا نہ غذائے لطیف، نہ جسم مبارک پر لباس شاہانہ تھا نہ جیب و آستیں میں درہم و دینار۔

عین اس وقت جب اس پر قیصر و کسریٰ کا دھوکا ہوا تھا وہ گلیم پوش مکہ کا یتیم اور آسمان کا معصوم فرشتہ نظر آتا تھا۔

سرور دو عالم ﷺ نے جس مملکت کی تاسیس وتشکیل فرمائی وہ ایک نظریاتی مملکت تھی۔ جس میں کاروبار حکومت کو احکام قرآنی یا قانون خداوندی سے ہٹ کر چلانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ احکام قرآن یا قانونی الٰہی کا نام ہی دین ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام ہمارا دین ہے لیکن فلاں ازم ہماری معیشت ہے اور فلاح طریقہ ہماری سیاست ہے۔ وہ لوگ انتہائی شدید قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ دین حق مذہبی رسوم ادا کر لینے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ عبادات کے علاوہ معیشت، سیاست، رفاہ عامہ اور خدمت خلق پر محیط ہے۔

دین کار پردازان حکومت پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ خوف خدا کو اپنے دل میں جاگزیں کر کے کاروبار حکومت چلائیں۔ برائی کو مٹائیں نیکی کو پھیلائیں معاشی انصاف اور سماجی مساوات قائم کریں۔ ظالم کا ہاتھ پکڑیں، مظلوم کی مدد کریں اور اپنے آپ کو مخلوق خدا کی خیر خواہی، بھلائی اور خدمت کیلئے وقف کر دیں۔

امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے بڑھ کر کسی کو مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔

سورۃ آل عمران میں رسول اکرم ﷺ کو براہ راست مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔

اور اے نبی ﷺ ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔ اہل سیر نے حضور ﷺ کی صحابہؓ سے مشاورت کے بے شمار واقعات تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ خطیب بغدادی نے حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے بعد اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کے بارے میں نہ قرآن میں کوئی حکم نازل ہوا ہو اور نہ آپ ﷺ کا کوئی ارشاد ہمارے سامنے ہو تو ہم کیا کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے عبادت گزار اور اطاعت شعار لوگوں کو جمع کرو اور اس معاملے کو مشورے کے ذریعے ان کے سامنے رکھ دو کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔

الغرض آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا ایک ایک لمحہ ہمارے لئے رہنمائی اور مشعل راہ ہے۔ بات صرف آپ کے بتائے ہوئے راستے پر استقامت کے ساتھ چلنے کی ہے۔ ❀



نعت رسول مقبول ﷺ

تنم فرسودہ جاں پارہ زہجراں یا رسول اللہؐ
دلم پردرد آوارہ زعصیاں یا رسول اللہؐ

شب و روز از شکیبائی زحد گشتم تمنائی
بخلوت سوئے من آئی خراماں یا رسول اللہؐ

چو سوئے من گذر آری من مسکین زناداری
فدائے نقش نعلینت کنم جاں یا رسول اللہؐ

زکرن خویش حیرانم سیاہ شد روز عصیانم
پشیمانم پشیمانم پشیماں یا رسول اللہؐ

زپا افتادم از پیری برحمت دست من گیری
ہمیں یک حرف بپذیری زناداں یا رسول اللہؐ

زجام حب تو مستم بہ زنجیر تو دل بستم
نمی گویم کہ من ہستم سخنداں یا رسول اللہؐ

بصدیقؓ خریدارم عمرؓ را دوست میدارم
فدا سازم دل و جاں را بعثمانؓ یا رسول اللہؐ

نہادم پیش گا ہے سر بپائے ساقئے کوثر
اماماں راشدم چاکر بایقاں یا رسول اللہؐ

بوقت نزع در مانم رود از تن بروں جانم
نگاہ داری تو ایمانم زشیطاں، یا رسول اللہؐ

چو اندر حشر بوخیزم بداماں تو آویزم
زدیں خون دل ریزم فراواں یا رسول اللہؐ

چو بازوئے شفاعت را کشائی بر گنہگاراں
مکن محروم جامی را در آں آں یا رسول اللہؐ

(از: جامیؒ)

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

جناب جسٹس اے ایس سلام

☆ مجھے علامہ اقبالؒ کی ایک رباعی کچھ عرصہ سے بہت پسند ہے۔ شاید اس کی ضرورت پیش آنے والی ہے۔ خیال کو اگر خوبصورت جامہ مل جائے تو امر ہو جاتا ہے۔ رباعی یہ ہے۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر　　روز محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر　　از نگاہ مصطفےؐ پنہاں بگیر

سادہ الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ کہ تو تو دو جہاں سے زیادہ امیر ہے۔ میں غریب وفقیر ہوں مجھ سے کیا حساب کتاب لینا۔ قیامت کو مجھے ایسے ہی بخش دینا۔ لیکن اگر حساب لینا ہی ضروری ہو، تو رسول کریم ﷺ کی نگاہ سے ہٹ کر لینا، چھپا کر لینا۔ یعنی وہ میری خطاؤں، گناہوں کو نہ دیکھیں کیوں کہ ایسا ہونے میں بڑی شرمندگی وندامت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو رشتہ مالک ومملوک کا ہے۔ بندہ اچھا ہو، برا ہو بہر حال اللہ کا بندہ ہے۔ اللہ اس کا مالک ہے۔ مالک تو اپنے بندے کو بندگی کے دائرے سے نکال ہی نہیں سکتا۔ رشتہ پکا اور پختہ ہے۔ مگر رسول مقبول ﷺ سے رشتہ عزت واحترام کا ہے، اطاعت ومحبت کا ہے۔ وہ محبت ہی کیا ہوئی جو محبت کے لیے باعث ناراضگی ہو اور محبت کرنے والے کے لیے باعث شرم وحیا، اور ندامت ہو اور اگر محبت ہی میں کمی آ جائے اور محب کو اس کا علم ہو جائے تو پھر کیا زعم محبت۔ تعلق رسول ﷺ سے تو ایک محسن اعلیٰ کا ہے، وہ محسن جس نے ہمیں اللہ تعالیٰ سے روشناس کرایا۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کو نہ جانتے تھے۔ نہ پہچانتے تھے، نہ کبھی دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ ہی تھے، جنہوں نے ہمیں بتلایا کہ کوئی نہیں سوائے اللہ کے۔ لا الہٰ الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ تم ہر دو جہاں اور ہر چیز سے آزاد ہو۔ ہمیں تاریخ سے معلوم ہے کہ اگر کچھ لوگ ناجائز قید میں ہوں اور قید خانہ توڑ کر انہیں آزاد کر دیا جائے تو یہ بہت بڑا انقلاب کہلاتا ہے۔ اسے فرنچ ریولیوشن کہتے ہیں۔ اس نے پھیل کر مغرب میں امریکہ تک اور مشرق میں آسٹریلیا تک اپنے اثرات چھوڑے ہیں اور اتنی سی آزادی کا ثمر یہ ہے۔ کہ اس کے نام لیوا اور پیروکار اب چاند پر قدم رکھتے ہیں۔ اگر کوئی ایک قوم کو آزادی سے روشناس کرا دیتا ہے۔ تو ہم انہیں قائداعظمؒ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ پھر کیوں نہ ایسی ہستی جو ہر دو جہاں سے اور ہر وہم وخیال سے پوری انسانیت کو آزادی کا سبق دے، رحمتہ للعلمینؐ کہلائے۔ یہ ہی ہمارے رسول کریم ﷺ ہیں کہ جن کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ ایسے محسن کے سامنے کوتاہیاں اور گناہ گاریاں نہ آئیں۔ اول اللہ قیامت کو بغیر حساب کتاب کے ہی بخش دیجیو۔ اگر ایسا نہ کیا جا سکے تو محمد مصطفےٰ ﷺ کی نگاہوں سے بچا کر میرا پردہ رکھنا تو ستار العیوب ہے۔

علامہ اقبالؒ نے دوسری جگہ کہا ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

محمد ﷺ سے وفا کیا ہے؟ زبانی کلامی نہیں۔ احکامات اور سنت پر عمل جو آپ ﷺ نے بتایا اس پر ایمان اور عمل، جو آپ ﷺ نے کیا اس کی پیروی۔ رسول کریم ﷺ نے بتایا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میں نے انسان کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ وہ اشرف المخلوقات اور صاحب تکریم ہے۔ یہ انسان میں یا ہم اور آپ ہی نہیں ہیں، سب ہیں۔ جس شخص نے انسان کو انسان جانا اور اس کی تکریم کی یہاں تک کہ اس نے اس کی انسانیت کو تسلیم کیا اور عزت کی اور اس کو احساس دلایا کہ تو صاحب تکریم ہے۔ وہ خود عزت پائے گا اور صاحب تعظیم ہوگا۔

کیوں نہ ہم دوسرے انسان کی عزت وتکریم کریں؟ اسے بھی میرے ہی خالق نے بنایا ہے اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے۔ آج اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا شخص آ جائے جسے پی ای یا پریذیڈنٹ نے بھیجا ہو تو ہم سب اس کی عزت کریں گے کہ شاید یہ واپس جا کر ہمارے لئے کوئی دو کلمے خیر ہی کے کہہ دے حالانکہ نہ آنے والا پی ایم یا پریذیڈنٹ کا تخلیق کیا ہوا ہے نہ اپنی روح انہوں نے اس شخص میں پھونکی ہوئی ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ واپس جا کر حق میں ہی بات کرے۔ تاہم ہم ایسے شخص کے سامنے بچھے جائیں گے تو کیوں نہ ہم ایسی ہستی کی عزت واحترام کریں جسے اللہ پاک نے، ہمارے خالق نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے۔ اس قسم کا خیال ڈاگ ہیمر شولڈ کی کتاب میں درج ہے۔ ترجمہ کچھ اس طرح ہے

"کیا وہ (دوسرا انسان) مجھے پڑھا سکتا ہے؟ (میں تو خود ہی بڑا پڑھا لکھا عالم فاضل ہوں) جواب کیوں نہیں کوئی ایسا نہیں ہے، جس سے تم سیکھ نہ سکو۔ اللہ کے سامنے جو ہر انسان میں سے بولتا ہے۔ تم ہمیشہ کسی جماعت کے آخیر میں ہو یعنی بالفاظ دیگر تم ہر

انسان کی بات غور سے سنو سمجھو اس میں سے اللہ بول رہا ہے کیا محاورہ نہیں آواز خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔ تکبر زہر قاتل ہے۔ یہ سمجھنا کہ میں دوسرے سے بہتر ہوں خودکشی ہے۔

متکبر سچا بھی ہو تو راندہ درگاہ ہے۔ شیطان نے جھوٹ نہیں کہا تھا کہ "وہ آگ سے بنا ہوا ہے اور آدم خاک سے لہٰذا آدم سے بہتر ہے۔ وجہ اب تک جھٹلائی نہیں گئی ہے۔ حقیقتاً شیطان آگ سے بنایا گیا تھا اور آدم خاک سے۔ تاہم خیال برتری نے شیطان کو ہمیشہ کے لیے ملعون قرار دیا"۔

لہٰذا اگر ہم عجز وانکسار سے رسول کریم ﷺ کے بتلائے ہوئے راستے پر چلیں اور اپنے عمل سے ثابت کریں کہ ہم رحمتہ للعلمین ﷺ کے پیروکار ہیں۔ اور ہم سے دوسروں کو فیض ہی ملے گا نہ کہ حزن۔ بالفاظ دیگر اگر ہم کماحقہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کریں، تو اللہ پاک فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے ہو جائیں گے اور اگر اللہ پاک ہمارا ہو جائے تو ہمیں اور کیا چاہیے۔ اللہ پاک کہتے ہیں یہ دنیا تو کیا چیز ہے لوح وقلم تیرے ہو جائیں گے۔ قلم اٹھا اور تقدیر لکھ لے۔

اختتام سے پہلے ایک اور خیال کی طرف بھی آپ کی توجہ مبذول کرالوں۔ اللہ پاک کا کہنا ہے کہ اس نے ہر شخص میں اپنی روح پھونکی ہے۔ یعنی ہر انسان اس کا ایک حصہ لئے ہوئے ہے۔ شاید اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ اگر انسان جو کمزور بھی ہے پوری طرح اللہ کا نہیں بن سکتا، تو اپنا ہی بن جائے کسی حد تک تو خود بخود اللہ کا بن جائے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ یوں ہیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

معمولات روز وشب

☆ رسول اکرم ﷺ کا (عام حالات میں) ہر روز کا معمول یہ تھا کہ نماز فجر پڑھا کر آپ مسجد ہی میں تشریف رکھتے۔ صحابہ کرامؓ آپؐ کے اردگرد بیٹھ جاتے۔ آپؐ ان کو وعظ ونصیحت فرماتے اور ان کی باتیں بھی سنتے اگر کوئی صاحب اپنا خواب بیان کرتے تو اس کی تعبیر بتاتے۔ اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی۔ بعض اصحاب زمانہ جاہلیت کے واقعات بیان کرتے اور شعر پڑھتے پاکیزہ ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہوتیں۔ حضور ﷺ ان کو سن کر مسکرا دیتے۔ جب دن کچھ چڑھ جاتا (سورج نکل آتا) تو حضور ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے، کبھی چار اور کبھی آٹھ رکعتیں۔ پھر آپ گھر تشریف لے جاتے اور مختلف (ذاتی اور گھریلو) کاموں میں مشغول ہو جاتے۔ بکریوں کا دودھ دوہتے، جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے، پھٹے کپڑوں کو سی لیتے، بازار سے سودا سلف خرید لاتے یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آ جاتا آپ لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھاتے۔ پھر عصر کی نماز پڑھا کر ازواج مطہراتؓ میں سے ایک ایک کے گھر جاتے اور تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہر کر ان کا حال دریافت فرماتے یہاں تک کہ مغرب کی نماز کا وقت ہو جاتا۔ آپؐ نماز مغرب ادا فرماتے پھر کھانا کھاتے اور جن زوجہ مطہرہ کی باری ہوتی ان کے گھر ہی رات بسر فرماتے۔ دوسری ازواج مطہرات بھی وہیں آ جاتیں۔ عشا تک یہ گھریلو مجلس جمی رہتی۔ نماز عشاء کے بعد آپ آرام فرماتے اس نماز کے بعد آپ کو بات چیت پسند نہیں تھی۔

آدھی رات یا پہر رات رہے آپؐ جاگ اٹھتے، پہلے مسواک کرتے پھر وضو کر کے تہجد کی نماز میں مشغول ہو جاتے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوتی اور آپ سنتیں پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے اور لوگوں کو نماز فجر پڑھاتے۔ حضور ﷺ کے یہ معمولات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے تھے۔ آپ کی سیرت طیبہ میں جہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ ملک کے داخلی اور خارجی معاملات سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں، فوجیں میدان جہاد میں بھیج رہے ہیں یا خود میدان جہاد میں فوجوں کی قیادت فرما رہے ہیں، مسند عدل پر بیٹھ کر لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کر رہے ہیں، مجرموں اور خطاکاروں پر حد جاری فرما رہے ہیں، بادشاہوں اور دوسرے حکمرانوں کو دعوت حق کے خطوط بھیج رہے ہیں۔ وہاں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بایں ہمہ عظمت ومرتبہ آپ مساکین کی دستگیری، یتیموں اور بیواؤں کی غمخواری اور پریشان حالوں کی دلجوئی فرما رہے ہیں۔ بازاروں میں جا کر دیکھ رہے ہیں۔ کہ کوئی ناپ تول میں کمی تو نہیں کر رہا یا ناقص مال تو گاہکوں کو نہیں دے رہا۔ بازار سے سودا سلف خرید کر لا رہے ہیں، قرآن پاک کی تفسیر بھی فرما رہے ہیں اور حسانؓ بن ثابت کے اشعار بھی سن رہے ہیں، مریضوں کی عیادت کے لیے ان کے گھر پیادہ پا تشریف لے جا رہے ہیں، کوئی فوت ہو جاتا ہے تو گھر سے لے کر قبر میں رکھنے تک جنازے میں شریک ہو رہے ہیں، مجالس میں اصحاب کے ساتھ خوش طبعی کی باتیں بھی ہو رہی ہیں، نماز بھی پورے ارکان کے ساتھ ادا فرما رہے ہیں۔ ماہ رمضان میں سحری وافطار کے پورے احترام کے ساتھ روزے بھی رکھ رہے ہیں۔ غنیمت، صدقات، وظائف اور خراج وغیرہ بھی لوگوں میں تقسیم فرما رہے ہیں گویا دین اور دنیا کے تمام معاملات ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ (صحیحین، جامع ترمذی، مسند احمد دیگر کتب حدیث) ❁

حضرت داؤد علیہ السلام

شفاعت رسول

نسب نامہ

حضرت داؤد علیہ السلام کا تعلق حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا۔ آپ کے والد کا نام لیسی تھا۔ لیسی کے آٹھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام انکے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ بچپن میں آپکا پیشہ چوبانی تھا۔ آپ بے حد وجیہہ اور بہادر تھے۔ بچپن ہی میں شجاعت و جوانمردی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی شیر یا بھیڑیا آپکی بکری کا بچہ اٹھا کر لے جاتا تو آپ اس سے مقابلہ کر کے شکار اسکے منہ سے چھڑا لاتے اور اسکی گردن مروڑ کر مار ڈالتے۔

حضرت شموئیل علیہ السلام کو اپنی ضعیف العمری میں وحی الٰہی نے مطلع کیا کہ ہم نے تمہارے بعد داؤدؑ کو نبوت اور بادشاہت کیلئے چن لیا ہے۔ تم جا کر ان سے ملو اور ان کا مسح کرو۔ (یہود میں مسح ایک متبرک مذہبی رسم تھی جو مقبولیت اور تقرب الٰہی کی نشانی تھی۔ نبی وقت کسی فرد کے سر پر تیل مل کر یا پانی ڈال کر اسکو پاک کرتا تھا۔ عیسائیوں میں یہی چیز بپتسمہ بن گئی) چنانچہ حضرت شموئیل علیہ السلام بیت اللحم تشریف لے گئے اور لیسی اور اس کے بیٹوں سے ملے۔ اسوقت حضرت داؤد علیہ السلام موجود نہیں تھے۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے پوچھا تمہارا کوئی اور بیٹا بھی ہے۔ لیسی نے کہا ایک چھوٹا بیٹا ہے وہ بکریاں چرانے گیا ہوا ہے۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے کہا کہ اسکو بلاؤ۔ جب حضرت داؤد آئے تو حضرت شموئیل علیہ السلام نے کھڑے ہو کر آپکا بوسہ لیا اور اپنے پاس سے کچھ تیل نکال کر آپکا مسح کیا۔ اسکے بعد آپ واپس چلے گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے قبل اسرائیل میں یہ سلسلہ قائم تھا کہ حکومت ایک سبط (خاندان) سے وابستہ تھی اور نبوت و رسالت دوسرے سبط سے۔ یہوداہ کے گھرانے میں نبوت چلی آتی تھی اور افراہیک کے خاندان میں حکومت وسلطنت۔ (البدایہ والنہایہ ج ص ۱۰)۔ داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنکے اندر خدائے تعالیٰ نے یہ دونوں نعمتیں یکجا جمع کر دیں تھیں وہ خدا کے پیغمبر اور رسول بھی تھے اور صاحب تاج وتخت بھی۔ چنانچہ قرآن عزیز نے حضرت داؤد علیہ السلام کے اس شرف کا اسطرح ذکر کیا ہے۔

ترجمہ: اللہ نے انکو حکومت بھی عطا کی اور حکمت (نبوت) بھی اور اپنی مرضی سے جو چاہا سکھایا۔ (بقرہ۔ 251)

انبیاء ورسل میں سے حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ صرف حضرت داؤد علیہ السلام ہی وہ پیغمبر ہیں جن کو قرآن عزیز نے خلیفہ کے لقب سے پکارا ہے۔ قرآن میں ہے کہ

ترجمہ: اے داؤد علیہ السلام بے شک ہم نے تمکو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے۔ (ص۔ 26)

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں حضرت داؤد علیہ السلام کا نسب نامہ اسطرح بیان کیا ہے۔

داؤد بن ایشا (لیسی) بن عوبد بن عابر (یا عابز) بن سلمون بن نخشون بن عونیاذب (یا عمی ناذب) بن ارم (یارام) بن حصرون بن فارض بن یہوداہ بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (علیہ السلام) (تاریخ ابن کثیر جلد ۲ ص ۹)

حلیہ مبارک:

محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ کے واسطے سے حضرت داؤد علیہ السلام کا حلیہ مبارک اسطرح نقل کیا ہے۔ پستہ قد۔ نیگوں آنکھیں۔ جسم پر بال بہت کم تھے۔ چہرہ اور بشرے سے طہارت قلب اور نفاست طبع جھلکتی تھی۔ (البدایہ النہایہ جلد ۲ ص ۱۰)

قرآن پاک میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر مبارک:

قرآن عزیز میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر سورہ بقرہ۔ نساء۔ مائدہ۔ انعام۔ اسریٰ (بنی اسرائیل) انبیاء۔ نمل۔ سبا۔ اور ص میں آیا ہے۔ ان سورتوں میں سولہ (16) جگہ نام مذکور ہے اور بعض سورتوں میں مختصر اور بعض میں تفصیلی طور پر انکے حالات وواقعات کا ذکر اور انکی رشد وہدایت کا بیان ہے۔ ذیل کا نقشہ اس مطالعہ کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

سورۃ	آیات	سورۃ	آیات
بقرۃ	251	انبیاء	79,78
نساء	163	نمل	16,15
مائدہ	78	سبا	13,1
اسریٰ (بنی اسرائیل)	55	ص	30,26 ,24,22,17
انعام	84		

طالوت کے دربار میں:

حضرت داؤد علیہ السلام کو بربط نوازی میں بھی کمال حاصل تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بربط نوازی کا شہرہ سن کر جناب طالوت نے آپ کو دربار میں طلب کیا اور آپکی مہارت سے خوش ہو کر اپنے ساتھ محل میں رکھ لیا۔ آپ کچھ عرصہ دربار میں رہتے اور کچھ عرصہ کیلئے اپنے گھر چلے جاتے۔

جالوت کا قتل:

اسی زمانہ میں جناب طالوت کو عمالقہ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ دشمن کا سپہ سالار مشہور، جنگ آزما، عظیم الجثہ، پہلوان جالوت تھا۔ جسکا نام سن کر ہی لوگ خوفزدہ ہو جایا کرتے تھے۔ یہ روزانہ خود اور زرہ میں غرق میدان جنگ میں نکلتا اور مقابلہ کیلئے بنی اسرائیل کو للکارتا۔ مگر کسی میں اتنی ہمت نہ ہوتی کہ نکل کر اسکے سامنے آئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے تین یا چھ بڑے بھائی بھی

جناب طالوت کے لشکر میں شامل تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے والد نے انکے لئے کچھ بھنا ہوا اناج حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ بھیجا۔ آپ علیہ السلام وہ دینے آئے تھے۔ اسوقت بھی جالوت میدان جنگ میں بنی اسرائیل کو للکار رہا تھا اور انکی تضحیک کر رہا تھا اور اسرائیلی لشکر میں سب لوگ دم بخود تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت داؤد علیہ السلام جناب طالوت کے پاس گئے اور کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ بڑھ کر اس کافر کو قتل کردوں۔ پہلے تو جناب طالوت نے انکو بچہ سمجھ کر منع کیا مگر آپ کے اصرار پر بالآخر ان کو اپنی قبا پہنائی اور اسلحہ دیکر اجازت دیدی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا قد ابھی چھوٹا تھا اور لباس لمبا اور اسلحہ بھاری۔ چنانچہ چند قدم بڑھ کر آپ نے لباس اور اسلحہ اتار کر رکھ دیا۔ صرف لکڑی کا ڈنڈا اور گوپھن آپ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ میدان میں جا کر جالوت کی طرف بڑھے جالوت نے ایک بچے کو اس ہیئت سے اپنی طرف آتے دیکھا تو غرور اور غصے سے تلملا اٹھا اور چیخ کر بولا کہ کیا میں کتا ہوں جو تو ڈنڈا لیکر میرے پاس آیا ہے؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک پتھر گوپھن میں رکھکر مارا تو وہ اسکے خود اور ماتھے کی ہڈی کو توڑتا ہوا اندر گھس گیا اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔ حضرت داؤد علیہ السلام دوڑ کر اسکے اوپر چڑھ گئے اور اسکی تلوار کھینچ کر اسکا سر قلم کردیا۔ غنیم کی فوج نے اپنے سپہ سالار کا یہ حال دیکھا تو خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی اور بنی اسرائیل نے تعاقب کر کے انکے بے شمار آدمیوں کو تہہ تیغ کردیا۔ اس واقعے کے بعد جناب طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک ہزار سپاہیوں پر سردار مقرر کردیا۔ اور کچھ عرصے بعد اپنی بیٹی میکل سے آپکا عقد کردیا۔ اسطرح مشیت ایزدی نے چراگاہ سے اٹھا کر آپکو تخت شاہی تک پہنچادیا۔

قرآن کریم، تورات اور اسرائیلی تاریخ اسکے شاہد ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام شجاعت وبسالت، اصابت رائے اور قوت فکر وتدبر جیسے اوصاف کے پیش نظر کامل اور مکمل انسان تھے اور فتح ونصرت انکے قدم چومتی تھی۔ اور خدا کا فضل وکرم اس درجہ انکے شامل حال تھا کہ دشمن کے مقابلہ میں انکی جماعت کتنی ہی مختصر ہوتی۔ کامیابی ہمیشہ ان ہی کے ہاتھ رہتی۔ اس لئے بہت تھوڑے عرصہ میں شام۔ عراق، فلسطین اور کے تمام علاقوں پر انکا حکم نافذ اور ایلہ (خلیج عقبہ) سے لیکر فرات کے تمام علاقوں اور دمشق تک تمام ملک انکے زیرنگیں تھا۔ حجاز کا کچھ حصہ بھی آپکی سلطنت میں شامل تھا۔ اسطرح آپ کو بنی اسرائیل نے متفقہ طور پر اپنا بادشاہ منتخب کرلیا اور اسوقت آپکی عمر 30 سال تھی۔ یہ ۱۰۰۴ ق۔م کا واقعہ ہے۔ اسطرح آپ نے ایک نہایت مضبوط اور مستحکم حکومت قائم کی جسمیں امن وامان اور عدل وانصاف کا دور دورہ تھا۔

قرآن کریم نے آپ کو خلیفہ فی الارض کے معزز لقب سے یاد کیا ہے۔ سورہ بقرۃ اور ص میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو بادشاہی اور دانائی بخشی۔ سلطنت کو محکم کیا اور حکمت وعدل کرنا سکھایا۔ اب تک جرون اسرائیلی سلطنت کا دارالسلطنت تھا۔ یہاں ساڑھے سات سال تک آپ نے حکومت کی۔ اسکے بعد سیاسی اغراض ومقاصد کی بنا پر آپ نے دارالخلافہ یروشلم منتقل کرلیا۔ اور یہاں 33 سال تک سریر آرائے سلطنت رہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے خصوصی اوصاف:

(ا) زبور کتاب کا عطا ہونا۔

بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کیلئے اصل اور اساس تورات تھی لیکن حالات وواقعات اور زمانہ کے تغیرات کے پیش نظر حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی خدا کی جانب سے زبور عطا ہوئی جو تورات کے قوانین واصول کے اندر رہ کر اسرائیلی گروہ کی رشد وہدایت کیلئے بھیجی گئی تھی چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شریعت موسوی کو از سرنو زندہ کیا۔ سرائیلیوں کو راہ ہدایت دکھائی اور نور وحی سے مستفیض ہوکر تشنہ کامان معرفت الٰہی کو سیراب کیا۔

زبور خدا کی حمد کے نغموں سے معمور تھی۔ زبور ایسے قصائد اور مسجع کلمات کا مجموعہ تھا جس میں خدا کی حمد وثناء اور انسانی عبدیت وعجز کے اعتراف اور پند ونصائح اور بصائر وحکم کے مضامین تھے۔ مسند احمد میں ایک روایت منقول ہے کہ زبور کا نزول رمضان میں ہوا اور وہ مواعظ وحکم کا مجموعہ تھی (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۱۲) نیز بعض بشارات اور پیش گوئیاں بھی منقول تھیں جیسا کہ قرآن میں سورہ انبیاء آیت نمبر 105 میں مذکور ہے۔ "اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ کہہ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہونگے"

بعض مفسرین نے یہ تصریح کی ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں جس واقعہ کا اظہار کیا گیا ہے وہ دراصل نبی اکرم ﷺ اور صحابہؓ کی بشارت سے متعلق ہے اور وہی اسکا مصداق ہیں۔

لغت میں زبور کے معنی پارے اور ٹکڑے کے ہیں۔ چونکہ یہ کتاب دراصل تورات کی تکمیل کیلئے نازل ہوئی تھی اسی لئے گویا اس کا ایک حصہ اور ٹکڑا ہے۔

لحن داؤدی:

آپ بے حد خوش آواز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو ایسا لہجہ اور سحر آگیں لحن عطا فرمایا تھا کہ جب زبور کی تلاوت فرماتے تو جن وانس حتیٰ کہ وحوش وطیور تک وجد میں آجاتے اس لئے آج تک "لحن داؤدی" ضرب المثل ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب ابوموسیٰ اشعری کے حسن صوت کو سنتے تو ارشاد فرماتے: ابوموسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے لحن داؤد عطا فرمایا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۱۱)

تسخیر وتسبیح جبال وطیور:

حضرت داؤد علیہ السلام اسقدر خوش الحان تھے کہ جب زبور پڑھتے یا خدا کی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہوتے تو انکے وجد آفریں نغموں سے نہ صرف انسان بلکہ وحوش وطیور وجد میں آجاتے اور آپکے اردگرد جمع

ہوکر حمد خدا کے ترانے گاتے اور سریلی اور پر کیف آوازں سے تقدیس و تسبیح میں حضرت داؤدؑ کی ہمنوائی کرتے اور صرف یہی نہیں بلکہ پہاڑ بھی خدا کی حمد میں گونج اٹھتے ۔ چنانچہ داؤدؑ کی اس فضیلت کا قرآن عزیز نے سورہ انبیاء، سبا اور ص میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

سورہ انبیاء میں ہے ''اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو تابع کردیا ہے کہ وہ داؤدؑ کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ہم ہی میں ایسا کرنے کی قدرت ہے''

سورہ سبا میں ہے '' اور بے شک ہم نے داؤدؑ کو اپنی جانب سے فضیلت بخشی ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے حکم دیا ''اے پہاڑوں اور پرندوتم داؤدؑ کے ساتھ مل کر تسبیح اور پاکی بیان کرو''۔

سورہ ص میں ہے ۔ '' بے شک ہم نے داؤدؑ کیلئے پہاڑوں کو مسخر کردیا کہ اس کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کرتے ہیں اور پرندوں کے پرے کے پرے جمع ہوتے اور سب ملکر حمد خدا کرتے ہیں۔

حضرت داؤدؑ کے ہاتھ میں لوہے کا نرم ہونا:

شاہی اور شہنشاہی کے باوجود حضرت داؤدؑ سلطنت و مملکت کے مالیہ سے ایک حبہ نہیں لیتے تھے اور اپنا اہل وعیال کی معاش کا بار بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے اور اسی کو ذریعہ معاش بناتے تھے ۔ چنانچہ حضرت داؤد کے اس وصف کو حدیث صحیح میں ان الفاظ کے ساتھ سراہا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کسی انسان کا بہترین رزق اسکے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بے شک اللہ کے پیغمبر داؤدؑ دعا مانگا کرتے تھے کہ خدایا ایسی صورت پیدا کردے کہ میرے لئے ہاتھ کی کمائی آسان ہوجائے کیونکہ میں بیت المال پر اپنی معاش کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا ۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ کی اس خواہش کو اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت کے ساتھ قبول فرمایا کہ ان کے ہاتھ لوہے اور فولاد کو موم کی طرح نرم کردیا کہ جب وہ زرہ بناتے تو سخت مشقت اور آلات اعدادی کے بغیر فولاد کو جسطرح چاہتے کام میں لاتے اور ان کے ہاتھ میں موم کی طرح بآسانی ہر قسم کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ قرآن عزیز نے اس واقعہ کو سورۃ انبیاء اور سورۃ سبا میں اسطرح بیان کیا ہے۔

سورۃ سبا آیت ۱۱ میں ہے ''اور ہم نے اس (داؤدؑ) کے لئے لوہا نرم کردیا کہ بنا زرہیں کشادہ اور انداز سے جوڑ کڑیاں اور تم جو کچھ کرتے ہو میں اسکو دیکھتا ہوں''۔

سورہ انبیاء آیت نمبر ۸۰ میں ہے۔ ''اور ہم اس (داؤدؑ) کو سکھایا۔ ایک قسم کا لباس بنانا تاکہ تم کو لڑائی کے موقعہ پر اس سے بچاؤ حاصل ہو۔ پس کیا تم شکر گزار بنتے ہو''۔

توراۃ اور لوہے کے استعمال کے زمانہ کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ داؤدؑ سے پہلے لوہے کی صنعت نے اس حد تک ترقی تو کرلی تھی کہ فولاد کو پگھلا کر اس سے سپاٹ ٹکڑے بناتے اور ان کو جوڑ کر زرہ بنایا کرتے تھے لیکن یہ زرہ بہت بھاری ہوتی تھی اور چند قوی ہیکل انسانوں کے علاوہ عام طریقہ سے ان کا استعمال مشکل اور دشوار سمجھا جاتا تھا۔ اور میدان جنگ میں سبک خرامی دشوار ہوجاتی تھی۔

حضرت داؤدؑ پہلے شخص ہیں جنکو خدا تعالیٰ نے یہ فضیلت بخشی کہ انہوں نے تعلیم وحی کے ذریعہ ایسی زرہیں ایجاد کیں جو باریک اور نازک زنجیروں کے حلقوں سے بنائی جاتی تھیں۔ اور ہلکی اور نرم ہونے کی وجہ سے میدان جنگ کا سپاہی اسکو پہن کر بآسانی نقل وحرکت بھی کرسکتا تھا اور دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے بھی بہت عمدہ ثابت ہوتی تھیں۔

منطق الطیر (پرندوں کی بولیاں):

حضرت داؤدؑ اور انکے صاحبزادے حضرت سلیمانؑ کو خدائے تعالیٰ کی جانب سے ایک شرف یہ عطا ہوا تھا کہ دونوں بزرگوں کو پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم دیا گیا تھا۔ اور جسطرح ایک انسان دوسرے انسان کی گفتگو سمجھتا ہے۔ اسی طرح وہ پرندوں کی گفتگو سمجھتے تھے۔

تلاوت زبور:

بخاری کتاب الانبیاء میں ایک روایت منقول ہے کہ حضرت داؤدؑ پوری زبور کو انتے مختصر وقت میں تلاوت کرلیا کرتے تھے کہ جب وہ گھوڑے پر زین کسنا شروع کرتے تو تلاوت بھی شروع کرتے اور جب کس کر فارغ ہوتے تو پوری زبور ختم کرچکے ہوتے۔ حضرت داؤدؑ کا یہ معجزہ ''حرکت زبان'' سے تعلق رکھتا ہے ۔ گویا خدا تعالیٰ حضرت داؤدؑ کیلئے زمانہ کو اس مدت میں ایسا سمیٹ دیتا تھا کہ عام حالت میں وہ گھنٹوں کی مقدار بن سکتا ہے۔ یا حضرت داؤدؑ کو سرعت اداء الفاظ کی اس درجہ قوت عطا کردی گئی تھی کہ دوسرا شخص جس کلام کو گھنٹوں میں ادا کرے ۔ داؤدؑ اسکو بخاری کی نقل کردہ روایت کے مطابق مختصر وقت میں ادا کرنے پر قدرت رکھتے تھے اور یہ تو آج بھی مسلم ہے کہ سرعت حرکت کیلئے کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔

تورات، قرآن اور حضرت داؤد علیہ السلام:

توراۃ میں حضرت داؤدؑ کا ذکر صرف ایک بادشاہ کی حیثیت سے ملتا ہے مگر قرآن کریم نے بتایا کہ آپ صرف بادشاہ ہی نہیں ایک اولوالعزم پیغمبر اور زمین پر اللہ کے خلیفہ بھی تھے۔

قرآن کریم نے آپکے سلسلے میں ایک خاص واقعے کا بھی ذکر کیا ہے۔ آپ نے اپنے اوقات کی تقسیم اسطرح فرمائی تھی کہ ایک دن مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے مقرر تھا۔ ایک دن اہل وعیال کیلئے اور ایک دن خالص عبادت الٰہی کیلئے اور ایک دن بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لئے ایک دن خالص اپنی ذات کیلئے (حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول۔ روح المعانی جلد ۲۳ صفحہ ۱۶۲)۔

لیکن تقسیم ایام کی یہ تفصیل خلیفۃ اللہ کی شان

عدالت گستری کے شایان شان نہ تھی۔ اسلیئے کہ مظلوم کو اسکی وقت بھی انصاف کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ ایک دن (جو عبادت الٰہی کے لئے ص تھا) آپ محراب میں مصروف عبادت تھے اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی کہ دو آدمی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ آپ ان کو دیکھکر حیران ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنے قصیے کے فیصلے کیلئے آپ کے پاس آئے ہیں۔ ایک شخص نے کہا کہ میرا ساتھی میرا بھائی ہے۔ اسکے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ وہ میری ایک دنبی بھی زبردستی چھین لینا چاہتا ہے۔ حضرت داؤدؑ نے فرمایا کہ بے شک یہ ظلم کرتا ہے۔ اور اکثر شریک ایکدوسرے پر زیادتی ہی کرتے ہیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد آپکو خیال ہوا کہ فریق ثانی کا بیان سنے بغیر ہی میں نے فیصلہ دے دیا۔ پھر یہ بھی خیال ہوا کہ دنوں کی جو تقسیم میں نے کی ہے۔ وہ فرائض خلافت کی انجام دہی کیلئے مناسب نہیں ہے۔ ان خیالات کے آتے ہی آپ بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہوگئے اور توبہ استغفار کی۔ یہ واقعہ قرآن میں سورہ ص کی آیت نمبر 21 تا 26 منقول ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت داؤدؑ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایکدن ناغہ کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس سے افضل روزہ نہیں۔ حضرت داؤد آدھی رات تک سوتے، تہائی رات عبادت کرتے اور پھر آخری چھٹے حصے میں سوجاتے تھے۔

ازواج واولاد:

توراۃ میں آپکی ۹ (ازواج) ۱۸ بیٹوں اور ایک بیٹی کا نام مذکور ہے۔ آپکی زوجہ بت سبع کے بطن سے حضرت سلیمانؑ تولد ہوئے۔ ان کے علاوہ بھی آپ کی کچھ اور ازواج اور دس حرم تھیں جنکے نام توراۃ میں مذکور نہیں ہیں۔ آخر زمانے میں آپ بہت ضعیف ہوگئے تھے۔ آپ کے ایک بیٹے ادونیا جو آپ کی زوجہ حجیت کے بطن سے تھے آپ کے بعد تخت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے مگر آپ نے مشیت الٰہی کا اشارہ پاکر تمام سرداران بنی اسرائیل اور اعیان سلطنت کو بلاکر حضرت سلیمانؑ کو اپنا جانشین نامزد کردیا۔

عمر مبارک:

مشہور محدث حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں ایک روایت نقل کی ہے جسکا مضمون یہ ہے:۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔ کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عالم بالا میں جب حضرت آدم کی صلب سے ان کی ذریت کو نکال کر انکے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے ایک خوبصورت دمکتی ہوئی پیشانی والے شخص کو دیکھکر دریافت کیا۔ پروردگار یہ کون شخص ہے؟ جواب ملا تمہاری ذریت میں سے بہت بعد میں آنے والی ہستی داؤدؑ ہے۔ حضرت آدمؑ نے عرض کیا اسکی عمر کیا مقرر کی گئی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ساٹھ سال۔ حضرت آدمؑ نے عرض کیا۔ الٰہی میں اپنی عمر کے چالیس سال اس نوجوان کو بخشتا ہوں۔ مگر جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت پہنچا تو آدمؑ نے ملک الموت سے کہا کہ ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔ فرشتہ موت نے کہا۔ آپ بھول گئے۔ آپ نے اسقدر حصہ عمر اپنے ایک بیٹے داؤدؑ کو بخش دیا ہے۔ (مستدرک جلد ۲ کتاب التاریخ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی عمر سو سال کی ہوئی اور توراۃ کے باب سلاطین اور تواریخ میں ہے کہ حضرت داؤدؑ نے کہن سالی میں انتقال فرمایا اور اسرائیلیوں پر چالیس سال حکومت کی۔

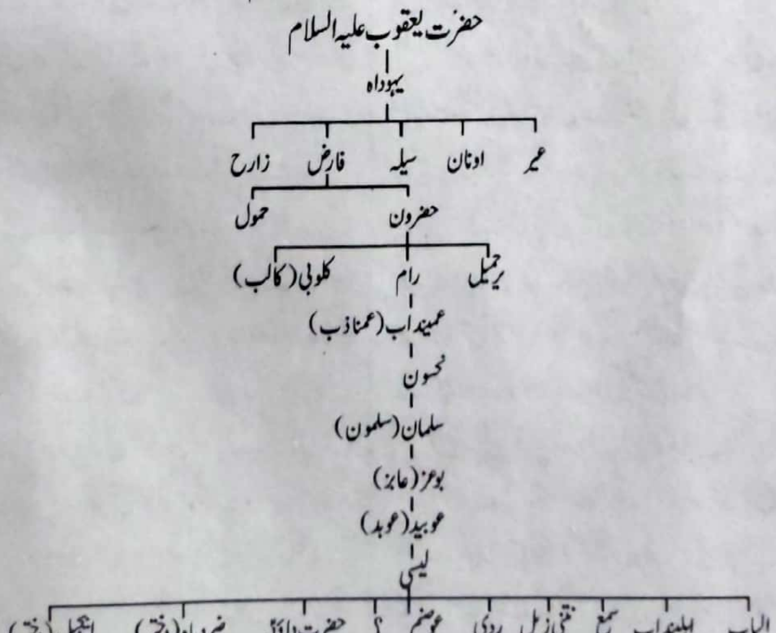
اور جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ نے ستر سال حکومت کی۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کا انتقال اچانک سبت کے دن ہوا۔ وہ سبت کے روز مقررہ عبادت میں مشغول تھے اور پرندوں کی ٹکڑیاں پر باندھے ہوئے ان پر سایہ فگن تھیں کہ اچانک اسی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا۔

مدفن:

تورات میں مذکور ہے۔ اور داؤدؑ اپنے باپ دادا کے ساتھ سوگیا اور "داؤدؑ کے شہر" صیہون میں دفن ہوا (سلاطین (۱) باب ۲ آیت ۱۱)

نسب نامہ:

نسب نامہ حضرت داؤدعلیہ السلام



بہ آں عبدالحکیم انصاریؒ تو کہ می نازد بہ قرب و یاریٔ تو

محمود اقبال

جولوگ ایمان لائے ہیں۔ان کا اللہ دوست ہے۔(القرآن) البقرہ۔257

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

☆ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ 29 جولائی 1893ء کو بروز ہفتہ پونے آٹھ بجے فرید آباد (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا جان حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ایک بلند پایہ عالم دین اور ولی کامل تھے۔ان کے پاس کسب فیض کے لیے جوگی، درویش، فقیر، مولوی، صوفی، قلندر ملنگ غرض ہر قسم کے آدمی آتے تھے۔دس برس کی عمر تک آپ نے اپنے دادا حضورؒ کی بزم عرفان کے نظارے کئے۔ دادا جان سے توحید کے سبق اور توحید کی وہ تربیت حاصل کی جس کے اثرات ان کی زندگی پر ہمیشہ رہے۔

دادا جان کی وفات کے بعد آپ کو نئے مرشد کی جستجو ہوئی۔ 18 سال کی عمر تک آپ مرشد کی تلاش میں درویشوں جوگیوں، فقیروں عالموں اور سجادہ نشینوں سے ملتے رہے۔لیکن توحیدی رنگ میں رنگے ہونے کے باعث ان میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کے لیے دل نہ جما۔آخر ان کی طلب رنگ لائی اور آپ کی ملاقات حضرت مولانا کریم الدین احمد نقشبندیؒ سے ہوگئی۔حضرت شریعت کے پابند اور اور دنیائے تصوف کے شاہباز تھے۔ دھوج نامی بستی میں گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مہینے میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماذ کے لیے دہلی آتے ایک ہوٹل میں دو تین کمرے بک کرواتے یہاں مریدوں سے ملاقات کرتے اور انہیں اپنے پیسوں سے کھانا کھلاتے۔ وہ زیادہ مشہور تو نہ تھے لیکن ہر لحاظ سے ایک کامل فقیر تھے۔انصاریؒ صاحب پہلی ہی ملاقات میں ان کے مرید بن گئے۔اور مولانا کریم الدینؒ سے تزکیہ اخلاق، روحانی طاقت اور دیدار باری تعالیٰ کی طلب کا اظہار کیا۔تو مولانا کریم الدینؒ نے فرمایا۔

پہلی دو چیزیں تو ہمارے توسط سے تمہیں مل جائیں گی مگر دیدار باری تعالیٰ نہیں۔مگر آپ نے یہ ضرور فرمایا کہ جب تک تم دیدار باری تعالیٰ نہیں کرلو گے مرو گے نہیں۔ مولانا کریم الدینؒ کی یہی بات آپؒ کے لیے بڑی حوصلہ افزاء تھی۔مولانا کے بتائے ہوئے وظائف پورے ذوق وشوق سے کرنے لگے۔صرف نفی اثبات کا پانچ ہزار مرتبہ روزانہ کا معمول تھا۔اسی طرح درود شریف اور دیگر وظائف تھے۔ تین برس کی مسلسل محنت سے آپؒ کے تین لطائف (قلب، روح، نفس) روشن ہو گئے اور کشف بھی حاصل ہوگیا۔اب مرشد کی ہدایت کے مطابق مراقبہ کی طرف توجہ کردی اور مولانا کریم الدین احمدؒ نے آپ کو تحریری خلافت نامہ عطا فرمایا۔اس وقت آپ کی عمر بمشکل 21 سال تھی۔ انصاریؒ نے مولانا کریم الدین احمدؒ سے خوب استفادہ کیا۔ مولانا 1920ء میں رحلت فرما گئے۔اپنے مرشد کی وفات کے بعد سلسلہ چشتیہ کے بزرگ حضرت محمد قاسم کے دست مبارک پر باقاعدہ بیعت کی۔ سلسلہ چشتیہ کا سلوک مکمل طور پر طے کیا۔ عالم ناسوت سے جبروت لاھوت ملکوت اور عالم ھو سب کی سیریں نصیب ہوئیں۔لیکن دیدار باری تعالیٰ کے لیے آپ کی طلب مکمل نہ ہوئی۔اور آپ نے پھر سے فقراء اور مشائخ سے ملنا شروع کردیا۔یوں آپ کی ملاقات ایک اویسی بزرگ جناب رسالدار محمد حنیف خان صاحب سے ہوگئی۔رسالدار صاحب نے ایک مرتبہ آپؒ کو اپنا جھوٹا پانی پینے کو دیا قبلہ انصاریؒ فرماتے ہیں۔''یہ پانی پگھلے ہوئے سیسے کی مانند حلق سے اترا اور آپؒ کا قلب جاری ہوگیا''۔ جناب رسالدارؒ صاحب کی راہنمائی میں آپؒ نے سلسلہ اویسیہ کا سلوک بھی مکمل فرمایا اور بالآخر آپ کو اللہ تعالیٰ کے قرب ولقا معرفت اور دیدار کی دولت عظمیٰ نصیب ہوگئی۔

> میں جس راستہ پر آپ کو چلانا چاہتا ہوں۔ وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختارؐ کے نقش قدم پر جاتا ہے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں۔اس کو رسولؐ اللہ کے اسوہ حسنہ سے ملا لو'۔

جس گوہر نایاب کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ وہ آخر کار مل گیا اور آپؒ مطمئن ہو گئے۔اس بارے میں خود فرماتے ہیں۔

''میں نے جو چاہا پالیا یعنی دیدار باری تعالیٰ''

سبحان اللہ!

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ بیسویں صدی کی ایک عظیم روحانی شخصیت گزرے ہیں۔آپ نے متلاشیان حق کی روحانی اور اخلاقی آبیاری کے لیے دنیائے تصوف میں ایک نئے روحانی سلسلہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی جس کی بابت اپنی کتاب طریقت توحیدیہ میں لکھتے ہیں۔

''پرانے علوم کے زوال اور نئے علوم کی ترقی کے ساتھ ہی انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں اہم تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔معیشت اور معاشرت کے طریقے اور اصول تک بدل جاتے ہیں۔نظریات میں تغیر آجاتا ہے۔سوچنے اور فکر کرنے کے انداز میں فرق پڑ جاتا ہے۔حتیٰ کہ مذہبی عقائد بھی محفوظ نہیں رہتے۔تصوف بھی مذہب کا ایک جزو لاینفک ہے۔یہ بھی محفوظ نہیں رہنے پاتا۔تصوف کے بعض اعمال واشغال نئی ذہنیت کے لوگوں کی یا تو تسلی نہیں کر سکتے یا حالات زمانہ کی وجہ سے ناممکن العمل

ہو جاتے ہیں ۔ یہی وقت ہوتا ہے ۔ جب بعض بزرگ توفیق وتائید الٰہی سے تصوف کے پرانے اعمال واشغال میں مناسب تبدیلیاں اور ترامیم وتجدید کر کے ان کو نئے زمانے کی ذہنیت اور حالات و مقتضیات کے مطابق بنالیتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تبدیلیاں صرف فروعات ورسوم میں ہوتی ہیں ۔ اصول ہمیشہ وہی رہتے ہیں۔

طرح طرح کی ماڈرن ایجادات اور انکشافات نے مسلمانوں خصوصاً انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دماغ کو مسحور کر کے دکھ دیا ہے ۔ وہ قرآن اور احادیث کو نئے علوم کی روشنی میں پرکھنا اور جانچنا چاہتے ہیں ۔ وہ ہر بات پر کیوں اور کیا کا جواب چاہتے ہیں...... اور جب ان کا تسلی بخش جواب نہیں پاتے تو بے دین ہو جاتے ہیں اور جو لوگ راسخ العقیدہ ہونے کی وجہ سے بے دین نہیں ہوتے کم از کم ان کا ایمان متزلزل ضرور ہو جاتا ہے‘‘۔

یہ افکار آپ کو توحید کی اس معراج پر لے گئے جہاں اللہ کی تائید ونصرت سے آپکو دنیائے تصوف میں وہ مقام نصیب ہوا۔ جس پر آپ خود بھی نازاں ہیں۔

بہ آں عبدالحکیم انصاریؒ تو
کہ می نازو بہ قرب دیاری تو

’’پھر یہ قرب دیاری اپنے ہی تک محدود نہ رکھی ۔ بلکہ **1953**ء میں ایسے متلاشیان کے لیے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی ۔ اور یوں اس فیض کو عام کر دیا۔ جو بقول علامہ اقبالؒ کے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے بند پڑا تھا۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

اب اس مرکز توحید سے جلنے والی شمع دنیا کے گوشے گوشے میں روشنی پھیلا رہی ہے۔

آپؒ جہد مسلسل کے قائل تھے۔ قرب الٰہی کے حصول کے سلسلے میں آپکی مستقل مزاجی اسکا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپکی نظر میں جہد مسلسل کے بغیر انسان پتھر کی طرح ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں۔

’’اگر ہم ناکامیوں کے ڈر سے کوئی نیا کام ہی نہ کریں تو گویا ہم کبھی کچھ کریں گے ہی نہیں۔ ہمارا کوئی قدم بھی آگے نہیں بڑھے گا۔ اور پتھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہیں گے‘‘۔ مزید کہتے ہیں۔

آتی ہے مجھے غیب سے آواز مسلسل
ہے عرش بھی نیچا ہو جو پرواز مسلسل

گویا آپکی نظر میں عمل زندگی اور بے عملی موت ہے ۔ ان افکار کو مد نظر رکھتے ہوئے آپؒ نے اپنے مریدین کو صحوی تصوف کا درس دیا۔ جس کی بابت فرماتے ہیں۔

’’میں آپکو صحوی تصوف سکھانا اور انسان کامل بنانا چاہتا ہوں۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ حقائق کو چھوڑ کر کوائف میں کھو جائیں۔ دنیا کا کوئی کام نہ کریں۔ توکل کی چادر اوڑھے شراب معرفت کے نشہ میں مست پڑے کرامتیں دکھایا کریں ۔ میں جس راستہ پر آپکو چلانا چاہتا ہوں۔ وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختارؐ کے نقش قدم پر جاتا ہے۔ جو کچھ میں کہتا ہوں۔ اس کو رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ملالو‘‘۔

> دل میں اللہ کو بسائے رکھو، اور ہاتھوں، پاؤں، آنکھوں اور زبان کو خدمت خلق میں لگائے رکھو۔ یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے۔ مرتے دم تک کام کرتے رہو اور خدا کی یاد میں مرجاؤ۔ تمہیں کیا خبر یہ کتنا بڑا کام ہے اور مرنے کے بعد اس کیا انعام ملے گا۔

آپؒ نے اپنے مریدین سے مختلف اجتماعات پر خطاب کے دوران انہیں توحید خالص کا درس دیا۔ یہاں آپؒ کے چند افکار زیر تحریر لائے جاتے ہیں۔ تاکہ آپ خواجہ عبدالحکیمؒ انصاری کی شخصیت کو جان سکیں۔

☆ جن باتوں کو خاص طور سے توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے۔ ان کو جتنی مرتبہ بیان کیا جائے کم ہے۔

☆ جب کسی قوم کے صوفیوں میں تصوف بیدار کارفرما ہوتا ہے ۔ وہ قوم برابر ترقی کرتی رہتی ہے ۔ اس قوم میں زندگی، خوشی، خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہتا ہے۔

☆ اخلاق وہ سدھار سکتا ہے۔ جس کا اخلاق خود اچھا ہو۔

☆ محبت اور اخوت صرف وہ لوگ پیدا کر سکتے ہیں۔ جن کے دلوں میں خود محبت اور اخوت کے جذبات موجزن ہوں۔

☆ اگر تزکیہ اخلاق نہ کیا جائے۔ تو سالک اپنے مقصود تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔

☆ دنیا میں کسی قانون پر عملدرآمد نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کی پشت پر کوئی طاقت ایسی موجود نہ ہو، جو قانون شکنی کرنے والوں کو سزا دے سکے۔

☆ اگر تمہاری کوئی چیز تم سے چلی جائے۔ تو اس کا افسوس نہ کرو۔ اور اگر تم کو کچھ (نعمت) مل جائے تو اس پر غرور مت کرو۔

☆ دنیا میں طاقت سب سے بڑی نعمت اور کمزوری سب سے بڑی لعنت، طاقت دو طرح کی ہوتی ہے۔ مادی اور روحانی۔

☆ جب تک کسی کا اخلاق قرآن وسنت رسول اکرمؐ کے مطابق نہ ہو۔ وہ ولی اللہ تو کیا بنے گا۔ اچھا مسلمان بھی نہ بن سکے گا۔

☆ بری محبت آگ کی طرح ہوتی ہے۔ اگر اس میں ہاتھ ڈالو گے تو ضرور جلے گا۔

☆ اگر آپ کی کوششوں سے کسی ایک خاندان کی اصلاح ہو جائے۔ تو یوں سمجھئے کہ انشاء اللہ آپ کی نجات کا پروانہ مل گیا۔ کیونکہ یہ خیر جاریہ ہوگی۔ اور اس خاندان کی تقلید میں دوسرے لوگ بھی اصلاح کی طرف قدم اٹھائیں گے۔ ورنہ خود اس خاندان کے افراد تو نسلاً درنسلاً خوب سے خوب تر ہوتے چلے جائیں گے۔

☆ اللہ کا راستہ طے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں زیادہ وقت تک اللہ کا خیال دل ودماغ میں رچا بسا ہے۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے۔

جب کہ دل و دماغ تفکرات اور تکلیفات سے متاثر نہ ہو۔ لیکن اگر چہ ایسا ہونا ناممکن نہیں۔ لیکن بیحد مشکل ضرور ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ جب کسی پر مصائب یا تکالیف ڈالتا ہے۔ تو تکلیف و آزار پہنچانے کے لیے نہیں ڈالتا بلکہ وہ انسان کو اس قابل بنانا چاہتا ہے۔ کہ اس پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرے۔

☆ غصہ اور نفرت کو نفی کرنے سے قوت برداشت بڑھتی ہے۔

☆ وقت اور وعدے کی پابندی کردار اور انسانی کی عمارت میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆ تکلیف دراصل محض ایک خیالی شے ہے۔ جو اپنی حالت کا مقابلہ اپنے سے بہتر لوگوں کی حالت سے کرنے سے محسوس ہوتی ہے۔

☆ اصلاح تو صرف پیار و محبت اور مصلحت و حکمت سے ہو سکتی ہے۔ سختی اور غصہ سے تو کام اور بگڑ جاتا ہے۔

☆ دل میں اللہ کو بسائے رکھو، اور ہاتھ پاؤں آنکھوں اور زبان کو خدمت خلق میں لگائے رکھو۔ یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے۔ مرتے دم تک کام کرتے رہو۔ اور خدا کی یاد میں مرجاؤ۔ تمہیں کیا خبر یہ کتنا بڑا کام ہے اور مرنے کے بعد اس کیا انعام ملے گا۔

☆ بغیر مرکز کے کوئی ادارہ کوئی گورنمنٹ بلکہ خود نظام عالم بھی کام نہیں کرسکتا۔ اس تمام کائنات کا مرکز رب اعلیٰ کا عرش اعظم ہے۔ جس کے گرد تمام کائنات گھومتی اور گردش کرتی ہے۔

☆ صرف زبان سے کہہ دینے سے کہ میں صرف ایک خدا کو مانتا ہوں۔ توحیدی نہیں بنتا۔ بلکہ خدا نے قرآن پاک میں جو کچھ اقسام و ہدایت دی ہے۔ ان پر دل سے یقین اور صداقت سے عمل کرنے سے توحیدی بنتا ہے۔

جب تک کسی کا اخلاق قرآن و سنت رسول اکرمؐ کے مطابق نہ ہو۔ وہ ولی اللہ تو کیا بنے گا۔ اچھا مسلمان بھی نہ بن سکے گا۔

☆ ایک مسلمان ہو کر یا توحیدی بن کر تم نے خدا سے یہ ٹھیکہ کرلیا ہے کہ جب تک وہ تمہاری مرضی کے مطابق کام کرتا ہے۔ اس وقت تک وہ تمہارا خدا اور تم اس کے بندے ہو جب کوئی کام وہ تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو پھر کس کا خدا کس کی بندگی؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہ لعنت ہے ایسی بندگی پر۔

☆ ہر معاشرہ میں بیسیوں۔ پیشہ ور لوگ ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک پیشہ کے سب لوگ اپنا کام چھوڑ دیں۔ تو معاشرہ کا سارا شیرازہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

☆ خلوص دل اور محنت سے کام کرنے والوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ ضرور نوازتا اور فائز المرام فرماتا ہے۔

ان سب باتوں کی تفصیل آپ نے اپنی کتب تعمیر ملت، چراغ راہ (خطبات) طریقت توحیدیہ اور حقیقت وحدت الوجود میں بیان کی ہے۔ حقیقت وحدت الوجود جیسے مسئلے کو انتہائی لطیف انداز میں بیان کیا ہے۔ جو کہ ایک عام قاری کے لیے بالکل نیا انداز تحریر ہے۔ اپنی اس کتاب کی بابت لکھتے ہیں۔

حقیقت وحدت الوجود کتاب میں نے اس نیت سے لکھی ہے۔ کہ متلاشیان حق غلط راہ پر پڑ کر گمراہ نہ ہونے پائیں۔ یہ کتاب عالم فاضل لوگوں کے لیے نہیں بلکہ عوام کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس لیے فلسفہ علم الکلام اور تصوف کی ادق اور مغلق ناممکن الفہم اصطلاحات سے پاک ہے''۔

آپؒ کی نظر ہمارے علمائے عظام کا فرض ہے کہ

''قوم کا اخلاق رسولؐ کے معیار پر قائم رکھیں۔ قوم کے افراد میں اتحاد و محبت و اخوت پیدا کریں۔ تا کہ قومی قوت اور طاقت میں کمی نہ آنے پائے۔ اور قوم دن بدن مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جائے۔''

آپؒ نے متلاشیان حق کی روحانی آبیاری 1977ء تک کی۔ آپؒ کی وفات کے بعد آپؒ کے واحد جانشین عبدالستار خانصاحبؒ نے ان فرائض کو باطریق احسن نبھایا۔

بہ آں عبدالحکیم انصاریؒ تو کہ می نازد بہ قرب ویاری تو

(اور تیرے اس عبدالحکیم انصاریؒ کے طفیل۔ جو تیری قربت اور تیری دوستی پر نازاں ہے) ❁



آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ کلام اور طرزِ خطابت

ملک محمد ارشد

☆ کیا کسی شخص کے عالی مرتبت اور عالی مقام ہونے کیلئے یہ بات کم ہے کہ اس کی پیدائش سے قبل کوئی اس جیسا نہ ہو، اور پیدائش کے بعد پھر قیامت تک کوئی ویسا ہو نہ سکے ۔ جی ہاں ! اللہ تبارک وتعالی نے اپنے محبوب ﷺ کو ایسے ہی انداز سے تخلیق فرمایا ۔ اور آپ ﷺ کو وہ بلند مرتبہ اور مقام عطا فرمایا کہ جس کی بلندیوں کو پانے کیلئے فرشتوں کے بھی پر جلنے لگے تو حضرت انسان ان بلندیوں کا احاطہ کیسے کرسکتا ہے ۔ بالکل بھی نہیں کرسکتا ۔ کیونکہ الفاظ جس کی تعریف سے معذور ہوں ۔ قلم جس کے اخلاق عالیہ کو بیان کرنے سے گریزاں ہو اور زبان جس کی مدح سرائی کو بیان کرنے سے قاصر ہو، بلاشبہ وہ ذات عالی مقام آپ ؐ کے سوا کسی اور کی ہو ہی نہیں سکتی ۔

آپ ؐ کا سب سے بڑا اعزاز کہ آپ ؐ کسی ایک قوم، قبیلے، علاقے یا مخصوص خطے کیلئے تشریف نہیں لائے تھے، بلکہ پوری کائنات اور پوری انسانیت کیلئے سامان رشد وھدایت بن کر آئے ۔ آپ ؐ نے اپنی حیات طیبہ میں نوعِ انسانی سے تعلق رکھنے والے تقریباً سبھی کام بحسن وخوبی انجام دیئے ۔ اور ہمارے لیے ہر شعبہ زندگی میں ایک کامل اور عملی نمونہ ہیں ۔

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی!

آپ ؐ کی سیرت مطہرہ کو احاطہ تحریر میں لانے کیلئے یہ لمحے مختصر اور صفحات قرطاس محدود ہیں ۔ اور یہ کہ آپ ؐ کی جامع اور وسیع تر شخصیت اور اخلاق وکردار کے چمن گل آرائش سے خوشہ چینی ایک انتہائی مشکل کام اس وجہ سے بھی ہے کہ اندازِ ہستی کے پیشِ نظر اخلاق عالیہ کا گلدستہ ہائے عقیدت تشکیل دینے کیلئے انتخاب گل وگلاب ہی مشکل ٹھہرتا ہے ۔

تاہم اپنی ایک ادنیٰ سی کاوش کے طور پر آج ہم سرکار دوعالم کی ذات عالیہ ؐ کے جس پہلو کا جائزہ لیں گے وہ ہے :-

اندازِ کلام اور طرزِ خطابت

اندازِ کلام :-

تکلم انسان کے ایمان، کردار اور مرتبے کو پوری طرح بے نقاب کر دیتا ہے ۔ موضوعات اور الفاظ کا انتخاب، فقروں کی ساخت، آواز کا اتار چڑھاؤ، لہجہ کا اسلوب اور بیان کا زور، یہ ساری چیزیں واضح کرتی ہیں کہ متکلم کس پائے کی شخصیت کا علمبردار ہے ۔

آپ ؐ کے منصب اور ذمہ داریوں کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ ان کا بھاری بوجھ اگر کسی دوسری شخصیت پر ڈالا گیا ہوتا تو وہ ضرور پریشان ہو جاتی ۔ لیکن حضور ؐ کے کمالات خاص میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایک طرف آپ ؐ تفکرات اور مسائل کا پہاڑ اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں لیکن دوسری طرف لوگوں میں خوب گھلنا ملنا بھی رہتا اور دن رات گفت وشنید کا دور بھی چلتا ۔

مزاج کی سنجیدگی اپنی جگہ تھی اور تبسم ومزاح اپنی جگہ ۔ امام حسن ؓ اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ کے حوالے سے بتاتے ہیں ۔ ”حضور متواتر پریشانیوں میں رہتے ۔ ہمیشہ مسائل پر غور کرتے ۔ کبھی آپ ؐ کو بے فکری کا کوئی لمحہ نہ ملا ۔ دیر دیر تک خاموش رہتے اور فضول بات چیت نہ کرتے ہیں ۔

لیکن آپ ؐ چونکہ اللہ کے رسول تھے لہٰذا تبلیغ دین، صحابہ ؓ کی تربیت وتزکیہ اور دوسرے قبائل کے ساتھ سیاسی روابط کیلئے لوگوں سے ملنا جلنا ضروری تھا جس کا اہم ذریعہ کلام ہے ۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت ؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم دنیوی معاملات کا ذکر کررہے ہوتے تو آپ ؐ بھی اس میں حصہ لیتے ۔ جب ہم آخرت کے موضوع پر بات کرتے تو آپ بھی اس میں گفتگو فرماتے اور اگر ہم کھانے پینے کی گفتگو کرتے تو آپ ؐ بھی اس میں شریک ہوتے ۔ لیکن یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ آپ ؐ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کوئی دوسری بات کبھی نہ نکلتی ۔

آپ ؐ گفتگو کرتے وقت الفاظ اتنے ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے کہ سننے والا آسانی سے یاد کرلیتا ۔ بلکہ الفاظ گنے جاسکتے تھے ۔ ام معبد نے کیا خوب تعریف بیان کی ہے کہ ”گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی“ ۔ الفاظ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم ۔ نہ چھوٹی بات کہتے نہ بہت طویل، تاکید، تفہیم اور تسہیل حفظ کیلئے خاص الفاظ اور کلمات کو تین بار دہراتے بھی تھے ۔ بعض امور میں تصریح سے بات کرنا مناسب نہ سمجھتے تو کنایہ میں فرماتے ۔ مگروہ، فحش اور غیر حیادارانہ کلمات سے تنفر تھا ۔ گفتگو میں بالعموم ایک مسکراہٹ شامل رہتی ۔

حضرت عبداللہ بن حارث ؓ کا بیان ہے کہ ” میں نے حضور ؐ سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا “ ۔ دراصل یہ مسکراہٹ آپ ؐ کی سنجیدگی کو خشونیت بننے سے بچاتی تھی ۔ جبکہ رفقاء کیلئے وجہ جاذبیت بھی تھی ۔

آپ ؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ بات کرتے ہوئے بار بار آسمان کیطرف دیکھتے ۔ گفتگو کے دوران میں کسی بات پر زور دینے کیلئے ٹیک سے اٹھ کر سیدھے ہو بیٹھتے اور خاص جملوں کو بار بار دہراتے ۔ حاضرین کو کسی بات سے ڈراتے تو تکلم کے ساتھ ساتھ زمین پر ہاتھ مارتے ۔ بات کی وضاحت کیلئے شہادت کی انگلیوں کے اشارات سے بھی مدد لیتے ۔ مثلاً دو چیزوں کا اکٹھا ہونا واضح کرنے کیلئے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر دکھاتے ۔ کبھی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم آرپار کر کے مضبوطی یا جمعیت کا مفہوم نمایاں کرتے ۔ کسی شے یا سمت میں اشارہ کرنا ہوتا تو پورا ہاتھ حرکت میں لاتے ۔ کبھی ٹیک لگائے ہوئے اہم معاملات پر بات کرتے تو سیدھے ہاتھ کو الٹے

ہاتھ کی پشت پر رکھ کر انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیتے۔ تعجب کے موقعوں پر ہتھیلیوں کو الٹ دیتے۔ کبھی سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی الٹے ہاتھ کے انگوٹھے کے اندرونی حصے پر مارتے۔ کبھی سر ہلا لیتے اور ہونٹوں سے دباتے، کبھی ہاتھ کو ران پر مارتے۔

حضور عرب کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فصاحت و بلاغت کے مالک تھے اور وحی کی لسان مبین نے حسن گفتار کو اور بھی دو چند کر دیا تھا۔ آپؐ کے کلام مبارک کا جہاں ادبی معیار بہت زیادہ بلند تھا وہاں اس میں عام فہم سادگی بھی تھی۔ کبھی کوئی گھٹیا اور بازاری لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ اور نہ ہی مصنوعی طرز کی زبان پسند فرمائی۔

ایک مرتبہ بنو ہند کے لوگ آئے تو گفتگو ہوتی رہی۔ آنے والوں نے بڑے تعجب سے کہا "اے اللہ کے نبیؐ! آپؐ اور ہم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ایک ہی مقام پر پرورش پائی ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ آپؐ ایسی عربی میں بات کرتے ہیں جس کی لطافتوں کو ہم میں سے اکثر نہیں سمجھ سکتے؟ آپؐ نے فرمایا "میری لسانی تربیت خود اللہ نے فرمائی ہے۔ اور میرے ذوق ادب کو خوش تر بنایا۔ اور یہ کہ میں نے قبیلہ سعد کی فصاحت آموز فضاؤں میں پرورش پائی ہے۔

ایک موقع پر کسی ملاقاتی سے بات ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ تعجب سے سن رہے تھے۔ پوچھا اس شخص نے آپؐ سے کیا کہا اور آپؐ نے کیا جواب فرمایا؟ حضورؐ نے وضاحت فرمائی۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کہنے لگے۔ میں عرب میں گھوما پھرا ہوں اور فصحائے عرب کا کلام سنا ہے۔ لیکن آپؐ سے بڑھ کر کلام فصیح کسی اور سے نہیں سنا۔

اسی طرح حضرت عمرؓ ایک بار کہنے لگے "اے اللہ کے رسولؐ! کیا بات ہے کہ آپؐ فصاحت میں ہم سب سے بالاتر ہیں، حالانکہ آپؐ ہم سے کبھی جدا نہیں ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ میری زبان اسمٰعیلؑ کی زبان ہے۔ جسے میں نے خاص طور سے سیکھا ہے۔ اسے جبرئیل مجھ تک لائے اور میرے ذہن نشین کر دی"۔

کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی پیش کرنے میں آپؐ اپنی مثال آپ تھے۔ یہ بھی رب کا خصوصی فضل و کرم تھا۔ یہاں قارئین کی خدمت میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں:۔

1۔ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہو۔
2۔ اعمال نیتوں پر منحصر ہیں۔
3۔ تم اسلام لاؤ تم سلامتی پاؤ گے۔
4۔ کسی عمل کرنے والے کو اپنے عمل میں سے، بجز اس کے کچھ نہیں ملتا ہے جو کچھ کہ اس نے نیت کی ہے۔
5۔ جنگ چالوں سے لڑی جاتی ہے۔
6۔ مجالس کیلئے امانت داری لازم ہے۔
7۔ برائی سے باز آنا بھی صدقہ (نیکی) ہے۔
8۔ قوم کا سردار وہ ہے جو اس کی خدمت کرے۔
9۔ ہر نعمت پانے والے سے حسد کیا جاتا ہے۔
10۔ ہر حسن گفتار بھی ایک صدقہ (نیکی) ہے۔
11۔ جو (مخلوق پر، خصوصاً انسانوں پر) رحم نہیں کرتا اس پر (خدا کی بارگاہ سے) رحم نہ کیا جائے گا۔

آپؐ کے ارشادات بلحاظ الفاظ، بلحاظ اسلوب، بلحاظ روح گہری تاثیر رکھتے ہیں۔

عمرو بن عبہ نے آپؐ سے کچھ باتیں کیں جن کے بہت ہی مختصر مگر جامع جوابات حضورؐ نے دیئے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"اس (دعوت و تحریک کے) کام میں ابتداً کون کون آپؐ کے ساتھ تھا؟"

"ایک مرد آزاد (مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ) اور ایک غلام (مراد حضرت بلالؓ)۔

"اسلام (کی اخلاقی حقیقت) کیا ہے؟"

پاکیزہ گفتار اور بھوکوں کو کھانا کھلانا۔

"ایمان (کا جوہر) کیا ہے؟" فرمایا "صبر اور سخاوت"۔

"کیسا اسلام افضل (معیاری) ہے؟" فرمایا "جس کے ساتھ پسندیدہ اخلاق پایا جائے"۔

"کیسی نماز افضل (معیاری) ہے؟" ارشاد ہوا "جس میں دیر تک عاجزی سے قیام کیا جائے"

"کیسی ہجرت افضل (معیاری) ہے؟" فرمایا "ایسی کہ تم ان چیزوں سے کنارہ کش ہو جاؤ جو تمہارے پروردگار کو ناپسند ہیں"۔

"کیسا جہاد افضل ہے؟" فرمایا "اس شخص کا جس کا گھوڑا بھی میدان میں مارا جائے اور خود بھی شہادت پائے"

"کون سی گھڑی (عبادت کیلئے) سب سے بڑھ کر ہے؟" فرمایا "رات کا پچھلا پہر"۔

اسی طرح ایک بار دریافت کیا گیا کہ انسانوں کو دوزخ تک پہنچانے کے موجبات زیادہ تر کیا ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا "دہن اور شرمگاہ"۔

آپؐ کا حسن کلام سادگی کی شان لئے ہوئے تھا۔ چنانچہ فرمایا "تم میں سے قیامت کے روز وہ لوگ مجھ سے انتہائی دوری پر ہوں گے۔ جو بڑے بول بولنے والے باتونی اور گھمنڈ جتانے والے ہیں"

آپؐ سے ایک دفعہ حضرت علیؓ نے سوال کیا کہ آپؐ اپنے مسلک کی وضاحت کریں۔ آپؐ نے مختصراً جس فصیح انداز سے جواب دیا اور اس جواب میں اپنے طرز فکر، اپنے کردار اور اپنی روحانیت کی جو جامع تصویر کھینچی، وہ بھی کسی اعجاز سے کم نہیں۔ فرمایا:۔

"عرفان میرا سایہ ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے، ذکر الٰہی میرا مونس ہے، حزن میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، خدا کی رضا میری غنیمت ہے، عاجزی میرے لئے وجہ اعزاز ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری طاقت ہے، صدق میرا سفارشی ہے، اطاعت میرا بچاؤ ہے، جہاد میرا کردار ہے، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

حسن کلام کی ایسی بے شمار مثالیں آپؐ کے کلام میں محفوظ ہیں آپؐ کو سنجیدگی اور پاکیزگی کی حدود سے نکل کر فحش کے دائرے میں داخل ہونے والی گفتگو سخت ناپسند تھی۔ آپؐ کی محفل میں آپؐ کے چہرہ انور پر

ہمیشہ خندہ روئی موجود رہتی اور چمن زار تکلم میں ہمیشہ تبسم کی لمعانی دکھائی دیتی۔

تکلم ہی کا ایک اہم جز خطابت ہے۔ آپؐ ایک عظیم ذمہ داری کے حامل تھے۔ جس کیلئے خطابت کی ازحد ضرورت تھی۔ خطابت میں عرب ویسے ہی دولتمند تھے۔ اور قبیلہ قریش تو اس سے مالا مال تھا۔

آپؐ نے ضرورت پڑنے پر خطاب کیا اور آپؐ کی زبان مبارک کبھی نسیم سحر کی طرح، کبھی آب جو کی طرح اور کبھی تیغ برق دم کی طرح متحرک ہو جاتی۔ وعظ و تقریر کی کثرت سے آپؐ نے ہمیشہ پرہیز کیا۔ اور معاشرہ کی ضرورت اور ظرف کے مطابق اعتدال سے قوت خطابت کا استعمال فرمایا۔ مسجد میں خطابت فرماتے تو چھڑی پر سہارا لیتے۔ اور میدان جنگ میں تقریر فرمانا ہوتی تو کمان پر ٹیک لگاتے۔ کبھی کبھار سواری پر سے بھی خطاب کیا۔ تقریر میں جسم دائیں بائیں جھوم جاتا۔ ہاتھوں کو حسب ضرورت حرکت دیتے۔ بعض مواقع پر **والذی نفس محمد بیدہ** (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یا محمدؐ کی جان ہے) کہہ کر قسم کھاتے۔

آپؐ کے طرز خطابت کی صرف دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔

غزوہ حنین وطائف کے معرکے کے بعد آپؐ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو نومسلم روسائے مکہ کو اس میں سے بہت سا حصہ دیا تاکہ ان کے دل مزید نرم ہوں اور وہ احسان کے رشتے سے اسلامی ریاست کے ساتھ مربوط ہو جائیں۔ انصار میں کچھ لوگوں نے عجیب سی بات کر دی کہ ''رسول اللہ ﷺ نے قریش کو خوب انعامات دیے اور ہمیں محروم رکھا۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے ابھی تک خون کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔ مشکلات میں ہم یاد آتے ہیں اور مال غنیمت دوسرے لوگ لے جاتے ہیں''۔

یہ چرچے حضورؐ کے کانوں تک بھی پہنچے۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا اور اس میں انصار کا اجتماع بلایا گیا۔ اور آپؐ نے دریافت فرمایا کہ آپؐ لوگوں نے ایسی باتیں کہی ہیں؟ جواب ملا کہ جو سنا وہ صحیح ہے مگر ہم میں سے ذمہ دار لوگوں نے نہیں کہی کچھ نوجوانوں نے ایسے فقرے کہے ہیں''۔ واقعہ کی تحقیق کے بعد آپؐ نے یہ تقریر کی:۔

''کیا یہ سچ نہیں کہ تم لوگ گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعے سے تم کو ھدایت دی؟ تم منتشر اور پراگندہ تھے اور خدا نے میرے ذریعے تم کو متحد اور متفق کیا؟ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعے سے تم کو آسودہ حال کیا؟۔ (ہر سوال پر انصار کہتے جاتے تھے کہ بلاشبہ اللہ اور رسولؐ کا بہت بڑا احسان ہم پر ہے)۔ فرمایا کہ ''نہیں تم یہ جواب دو کہ اے محمدؐ! تم کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تمہاری تصدیق کی۔ تم کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا۔ تو ہم نے پناہ دی۔ تم جب مفلس ہو کر آئے تھے تو ہم نے ہر طرح کی مدد کی۔ تم جواب میں یہ کہتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے گروہ انصارؓ! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لیکر جائیں اور تم صرف محمدؐ کو لیکر اپنے گھروں کو جاؤ''۔ یہ سن کر انصار کی کہہ اٹھے کہ ہمیں صرف محمدؐ درکار ہیں''

اسی طرح ابتدائی دور کا ایک خطبہ ملاحظہ ہو۔ فرمایا:

''قافلے کا دیدبان اپنے ساتھیوں کو کبھی غلط اطلاع نہیں دیا کرتا۔ خدا کی قسم اگر میں اور سب لوگوں سے جھوٹ کہنے پر تیار بھی ہو جاتا، تب بھی تم سے غلط بات ہرگز نہ کرتا۔ اگر میں دوسرے تمام لوگوں کو ہلاکت وخطرہ سے دوچار بھی کر دیتا تو بھی تم کو کبھی خطرہ میں مبتلا نہ کرتا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں، میں تمہاری طرف خصوصیت سے اور تمام انسانوں کی طرف جامع طور سے خدا کا مقرر کردہ رسول ہوں۔ بخدا تم کو لازماً مرنا ہے۔ جیسے کہ تم سو جاتے ہو۔ اور پھر مرنے کے بعد تم کو بھی اٹھنا ہے۔ جیسے کہ تم نیند سے بیدار ہو جاتے ہو۔ تم سے لازماً تمہارے کاموں کا حساب لیا جاتا ہے۔ اور تمہیں بھلے کا بدلہ بھلا اور برے کا بدلہ برا ضرور ملنا ہے۔ پھر یا تو ہمیشہ کیلئے جنت ہوگی یا ہمیشہ کیلئے دوزخ''۔

سبحان اللہ! کیا انداز بیان ہے۔ انداز بیان کی سادگی دیکھیے اور خنجر خطابت کی دھار جو کتنے نازک جذبات سے پر ہے۔ پھر یقین کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

آپؐ کی زندگی کا یہ پہلو بھی ہمارے لیے چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ❁

رسول اکرم ﷺ کا لباس

حضور ﷺ کا لباس عام طور پر کرتے، تہمد اور چادر پر مشتمل ہوتا تھا ایک آدھ مرتبہ آپؐ نے پاجامہ بھی پہنا ہے۔ موزوں کی عادت نہ تھی لیکن بعض موقعوں پر سیاہ رنگ کے موزے آپؐ نے استعمال فرمائے۔ یہ موزے نجاشی (شاہ حبشہ) نے ہدیہ ارسال خدمت کیے تھے۔ کبھی کبھی جبہ بھی پہنا ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپؐ نے شامی عبا اور شیروانی قبا بھی استعمال فرمائی ہے قبا کی جیب اور آستینوں پر دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی۔ دستار جسے صافہ یا عمامہ کہتے ہیں بالعموم سیاہ رنگ کی ہوتی تھی اس کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ضرور ہوتی تھی۔ عمامہ کا شملہ آپؐ دونوں مونڈھوں کے درمیان پیچھے کی طرف لٹکا لیتے اور کبھی دوش مبارک پر ڈال لیتے کبھی کبھار آپؐ صرف ٹوپی پر ہی اکتفا فرماتے۔

حضور ﷺ کا لباس سادہ مگر نہایت صاف ستھرا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی آپؐ نے قیمتی کپڑے کا لباس بھی زیب تن فرمایا تھا لیکن بالعموم آپ کا لباس سوتی کپڑے کا ہوتا تھا۔ کتان اور صوف بھی آپؐ نے پہنا ہے۔ امام غزالی کا بیان ہے کہ آپؐ کے پاس زعفران سے رنگی ہوئی ایک بہت بڑی چادر تھی کبھی صرف اسی کو اوڑھ پہن کر نماز پڑھا دیتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ یمن کی دھاری دار چادریں حضور ﷺ کو بہت پسند تھیں ان کو عربی میں حبرہ کہا جاتا ہے۔ سفید رنگ کا لباس آپ کو بہت مرغوب تھا تاہم دوسرے رنگوں کے کپڑے بھی آپؐ نے پہنے ہیں۔ (ایک روایت کے مطابق سرخ رنگ کی طرف رغبت نہیں تھی اس لیے سرخ لباس آپؐ نے کبھی نہیں پہنا۔ ہاں ایسی چادر استعمال فرمائی ہے، جس میں سرخ دھاریاں تھیں) جب آپؐ نیا کپڑا پہنتے تو پرانا کسی مسکین کو عنایت فرما دیتے تھے۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند

محمد ناصر خان

☆ موسم بہار کی ایک دل آویز اور نورانی صبح تھی۔ ماہ ربیع الاوّل کی بارھویں تاریخ اور دوشنبہ کی مبارک صبح تھی۔ جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند! یعنی حضرت عبداللہ کے مبارک گھر میں حضرت آمنہ کے بطن اطہر سے تاجدار عرب وعجم، محسن کائنات، روح کائنات، سیدالانبیاء والمرسلین، تاجدار ختم نبوت، پیغمبر انقلاب حضرت محمد ﷺ اس بزم عالم میں جلوہ گر ہوئے۔ آپ کی آمد سے ہر طرف نور پھیل گیا، ہر جانب روشنی چھاگئی، ہر سمت اجالا ہوگیا، چہار سو توحید و رسالت کا چاند جگمگانے لگا۔ آپ آئے تو سارے جہاں کو توحید ورسالت کے نور سے روشن کردیا۔ جس سے کائنات ارض وسماء کا گوشہ گوشہ بقعہ نور بن گیا......

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

عید میلاد النبی ﷺ کا معنی ومفہوم:

عید کے معنی اور مفہوم بیان کرتے ہوئے امام راغب اصفہانیؒ (متوفی 502ھ) رقمطراز ہیں کہ: ''عید'' لغت کے اعتبار سے اس دن کو کہتے ہیں کہ جو بار بار لوٹ کر آئے! اور اصطلاح شریعت میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کو عید کہتے ہیں۔ اور یہ دن شریعت میں خوشی منانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ عید کا لفظ ہر خوشی اور مسرت حاصل ہونے کے دن میں استعمال ہونے لگا ہے...... (المفردات: صفحہ 352)

علامہ ابوالوفاء غلام رسول سعیدی صاحب دامت فیوضہم کے الفاظ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شرعی اور اصطلاحی عید تو صرف عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ہیں اور یوم عرفہ اور یوم جمعہ عرفاً عید ہیں، اور جس دن کوئی نعمت اور خوشی حاصل ہو، وہ بھی عرفاً عید کا دن ہے۔ اور تمام نعمتوں کی اصل سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ سو جس دن یہ عظیم نعمت حاصل ہوئی وہ تمام عیدوں سے بڑھ کر عید ہے اور یہ بھی عرفاً عید ہے، شرعاً عید نہیں ہے۔ اس لئے مسلمان ہمیشہ سے اپنے نبیؐ کی ولادت کے دن یعنی بارہ ربیع الاوّل کو عید میلاد النبی ﷺ مناتے ہیں......

میلاد النبیؐ! نبی ﷺ کی پیدائش اور خوشی کا یہ دن مسلمانوں کا عظیم مذہبی تہوار ہے، جو ہر سال ماہ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ کو انتہائی عقیدت واحترام، جوش وخروش اور ذوق وشوق کے ساتھ اور خصوصی اجتماعات اور دینی محفلوں کے انعقاد کے ساتھ منایا جاتا ہے، جن میں حضور اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ، آپ ﷺ کے خصائص ومعجزات اور آپ ﷺ کی عظمت وفضیلت کو بیان کیا جاتا ہے، اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں بہ کثرت درود شریف، نعت خوانی اور صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اور فقراء، غرباء اور مساکین میں کھانا وغیرہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان محافل کو عرفِ عام میں ''میلاد'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا پیارا محبوب امام الانبیاء، **تاجدار ختم نبوت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ** کو مبعوث فرما کر تمام صاحبان ایمان پر احسان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''بلاشبہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا کہ جب اس نے ان میں ایک عظمت والا رسول بھیجا انہی میں سے، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور ان (کے باطن) کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگر چہ وہ لوگ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔''

(سورۂ آل عمران: 164)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کو احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ بلاشبہ حضور رحمت دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت، عالمِ انسانیت پر احسانِ عظیم ہے، واضح رہے کہ احسان بربنائے نعمت ہوتا ہے، لہٰذا حضور سید عالم ﷺ کی ذات گرامی نعمت قرار پائی۔ اللہ تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں، ان کا ذکر کرنا باعثِ فلاح ونجات ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر بجالانا اور تحدیثِ نعمت کرنا ضروری ہے اور حضور اکرم ﷺ چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں عظیم ترین نعمت ہیں، اس لئے آپ ﷺ کا ذکرِ خیر کرنا دنیا وآخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے اور محافلِ میلاد کا انعقاد، حضور اکرم ﷺ کے ذکرِ پاک کی ایک بہترین اور عظیم صورت ہے۔

احسان اس لئے جتایا جاتا ہے، تاکہ اس کو یاد رکھا جائے، اس کا تذکرہ کیا جائے، اس کو فراموش نہ کیا جائے بلکہ اس نعمت ورحمت اور اس احسان کا چرچا کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

''اور تم اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔'' (الضحیٰ: 11)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس فضل ورحمت اور نعمت و احسان کے چرچے کے ساتھ اس پر خوشیاں منانے کا بھی حکم فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''(اے رسول محترمؐ!) آپ کہہ دیجئے کہ (یہ سب کچھ) محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے، پس تم (سب

مومنوں) کو چاہیے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ اس (سارے مال و دولت) سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں"۔ (سورۂ یونس: آیت نمبر 58)

اس آیت مبارکہ سے یہ واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فضل و کرم اور اس کی نعمت و رحمت کے حصول پر فرحت (خوشی کا اظہار کرنا چاہیے اور خوشی و مسرت پر اظہار کرنے کے کئی طریقے ہوتے ہیں مثلاً اس نعمت اور رحمت کا خوب ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ وخیرات کرنا (مثلاً بچے کی ولادت پر عقیقہ وغیرہ کرنا) محفلیں منعقد کرنا وغیرہ...... چونکہ حضور سید عالمؐ کی ذات گرامی، تمام مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت رحمت ہے، اس لئے آپؐ کی آمد کا دن مسلمانوں کے لئے عیدوں سے بڑھ کر عید کا دن ہے۔ لہٰذا آپؐ کی آمد مبارکہ پر مومنوں کو بے پناہ خوشی و مسرت منانی چاہیے اور محفل میلاد النبیؐ منعقد کرنا اجتماعی طور پر خوشی کے اظہار کی ایک بہترین اور عظیم صورت ہے......

حضور سید عالم ﷺ اس بزم جہاں میں "پیر" کے دن تشریف لائے، اس لئے آپؐ اظہار تشکر کے لئے ہر پیر کے دن روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپؐ ہر پیر کے دن روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ وہ دن ہے، جس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی الٰہی نازل ہوئی"......

(صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر پیر کے دن روزہ رکھتے تھے، نیز یہ کہ آپؐ نے اپنے یوم میلاد کی عظمت و اہمیت کو اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ظاہر کرتے ہوئے تحدیث نعمت کے طور پر اللہ تعالیٰ کا (روزے کی صورت میں) شکر ادا کیا

برکات میلاد النبیؐ:

روایت میں آتا ہے کہ ابولہب جو ایک مشہور کافر تھا اور سرکار دو عالم ﷺ کا نسبی رشتہ میں چچا تھا، جب حضور اکرم ﷺ کی ولادت مبارک ہوئی، تو ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے آپؐ کی ولادت کی خوشخبری اپنے مالک ابولہب کو سنائی، تو ابولہب نے حضور اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی ثوبیہ کو اپنی غلامی سے آزاد کردیا۔ جب ابولہب مرگیا تو اس کے گھر والوں میں سے کسی (حضرت عباسؓ) نے اسے خواب میں دیکھا اور اس کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ کفر کی وجہ سے دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں، مگر ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہر پیر کے دن میرے عذاب میں کچھ تخفیف ہوجاتی ہے۔ اور جس انگلی سے میں نے اشارہ کرکے اپنی لونڈی ثوبیہ کو آزاد کیا تھا، اس انگلی سے مجھے پلایا جاتا ہے۔ (بہ حوالہ: صحیح بخاری، فتح الباری)

حاصل کلام یہ ہے کہ حضور رحمت ﷺ کی ولادت کی برکت سے حضرت ثوبیہ کو غلامی سے آزادی کی نعمت ملی بلکہ لاتعداد غلاموں کو نعمت آزادی ملی۔ ابولہب ایسے کافر کو عذاب دوزخ میں تخفیف ملی۔ اہل کفر کو ایمان کی دولت ملی۔ اہل ضلالت کو رشد وہدایت کی سعادت ملی۔ تمام مخلوقات کو رحمت مصطفویؐ میسر آئی۔ اہل قرن کو افضل ترین زمانہ!۔ بے زبانوں اور بے جانوں کو بھی سلام وکلام اور کلمہ پڑھنے کا شرف ملا۔ اہل زباں کو فصاحت و بلاغت کا عظیم شاہکار ملا۔ اہل صحبت کو "صحابیت" ایسی انمول نعمت ملی۔ اور انشاء اللہ! میلاد النبیؐ کی برکت سے تمام صاحبان ایمان کو دنیوی و اُخروی سعادتیں، جنت الفردوس کی اعلیٰ ترین دولت، رفاقت مصطفویؐ اور دیدار خداوندی۔ ایسی عظیم ترین نعمتیں ملیں گی۔

علامہ ابن الجزری (متوفی 833ھ) فرماتے ہیں کہ جب ابولہب ایسے کافر، جس کی مذمت میں قرآن مجید کی ایک سورت (سورۃ اللھب) نازل ہوئی، اس کو (حضور اکرمؐ کے میلاد کی خوشی منانے پر) یہ انعام ملا، اس مسلمان کو کیا صلہ ملے گا جو اپنے رسول کریم ﷺ کی ولادت کی خوشی مناتا ہے۔ مجھے میری عمر کی قسم! اس کی جزا یقیناً ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے اسے جنت نعیم میں داخل فرمائے گا...... (بہ حوالہ: المواہب اللدنیہ: جلد ا صفحہ 78)

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (متوفی 1052ھ) ثوبیہ کو آزاد کرنے اور ابولہب کے عذاب میں تخفیف کا ذکر کرنے کے بعد "مدارج النبوت" میں فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی شب میں "محفل میلاد" منعقد کرنے والوں اور اس پر خوشیاں منانے والوں کے لئے دلیل ہے۔ کہ وہ اس پر مال ومتاع خرچ کرتے ہیں کیونکہ ابولہب جو کہ کافر تھا اور اس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا، جب اسے بھی میلاد النبیؐ کی خوشی منانے اور اپنی لونڈی کے دودھ کو آنحضرت ﷺ کے لئے خرچ کرنے کی وجہ سے جزا دی گئی تو اس مسلمان کی جزا کا کیا عالم ہوگا، جو محبت اور خوشی سے لبریز ہوکر اپنا مال ومتاع خرچ کرتا ہے"...... (مدارج النبوت: جلد 2 صفحہ 19)

شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (متوفی 1317ھ) فرماتے ہیں کہ "اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولد میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں، اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں"...... (فیصلہ ہفت مسئلہ۔ صفحہ 5)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد محترم

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ فرماتے ہیں کہ '' میں میلاد شریف کے دنوں میں حضور سید عالمؐ کے میلاد شریف کی خوشی میں ہر سال کھانا پکوایا کرتا تھا، لیکن ایک سال مجھے سوائے بھنے ہوئے چنوں کے اور کچھ بھی میسر نہیں ہوا۔ چنانچہ میں نے وہی بھنے ہوئے چنے لوگوں میں تقسیم کردیئے۔ اسی رات کو خواب میں مجھے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہی بھنے ہوئے چنے حضور سید عالمؐ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور حضورؐ ان سے بہت خوش نظر آرہے ہیں۔ (الدرالثمین۔صفحہ 8)

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ تمام عالم اسلام میں ماہ ربیع الاوّل میں محافل میلاد کا انعقاد کرنا، خوشی ومسرت کا اظہار کرنا، نیکیوں میں زیادتی کرنا، مختلف انواع واقسام کے صدقہ وخیرات کرنا اور دعوت طعام کا اہتمام کرنا۔ ہمیشہ سے مسلمانوں کا محبوب طرز عمل رہا ہے، اور میلاد شریف کے خواص میں سے یہ ہے کہ میلاد شریف کی برکت سے اسی سال امن وامان، مطلوب کی جلد بشارت اور اللہ تعالیٰ کا فضل عام ہوتا ہے۔

عالم اسلام میں ہمیشہ سے اہل ایمان واہل محبت! ماہ ربیع الاوّل کی راتوں میں بالعموم اور بارہ ربیع الاوّل کو بالخصوص محافل میلاد منعقد کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ علامہ احمد قسطلانیؒ (متوفی 911ھ) فرماتے ہیں کہ '' حضور اکرم ﷺ کے میلاد کے مہینے میں اہل اسلام ہمیشہ سے محفل میلاد کرتے رہے ہیں۔ اور اس میں دعوت طعام کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور مختلف انواع واقسام کے صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور بہت خوشی ومسرت کا اظہار کرتے ہیں اور نیکیوں میں زیادتی کرتے ہیں اور اس میں میلاد شریف پڑھتے ہیں۔ جس سے میلاد شریف کی برکت سے ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل عام ہوتا ہے۔ اور محفل میلاد کے خواص میں سے یہ ہے کہ اس سال امن وامان رہتا ہے اور مطلوب کی بشارت جلد مل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمتیں نازل فرمائے، جس نے میلاد شریف کے مہینے کی راتوں کو ''عید'' بنادیا (المواہب اللدنیہ۔ جلد نمبر 1 صفحہ 78، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

تمام عالم اسلام کے مسلمان بارہ ربیع الاوّل کو یہ عظیم الشان اور ایمان افروز تہوار جشن عید میلادالنبیؐ ہمیشہ سے مناتے چلے آرہے ہیں اور جب تک یہ دنیا قائم ودائم ہے۔ اور ایک بھی مسلمان روئے زمین پر باقی ہے، یہ جشن عید میلادالنبیؐ اس طرح عقیدت واحترام، خوشی ومسرت اور پوری آب وتاب کے ساتھ منایا جاتا رہے گا اور اہل ایمان میلاد شریف کی برکتوں، رحمتوں اور دینوی واُخروی سعادتوں سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

حضور سید عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کے بارے میں اتنا کچھ لکھا جاچکا ہے کہ یقین ویمین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اتنا کسی اور شخصیت کے بارے میں نہیں لکھا گیا۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک ایک گوشہ ایک ایک انگ، ایک ایک جہت، ایک ایک پہلو، ایک ایک پیش گوئی اور ایک ایک معجزہ کو ارباب سیر اور مورخین نے اقوام عالم کے سامنے اجاگر کیا اور دینوی اور اُخروی سعادتیں پائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت نگاری ختم ہونے والی نہیں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ محمد ﷺ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس کا ختم ہونا ناممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت وتکریم ہے۔ ۞

مومن

☆ مومن کی محبت اپنے رب کیساتھ شدید ہوتی ہے۔

☆ مومن کا سب کچھ اپنے رب کریم کیلئے ہوتا ہے کیونکہ اسے اس بات کا مکمل یقین ہوتا ہے کہ یہ زندگی رب تعالیٰ کی بخشی ہوئی ہے اور میرے پاس موجود ہر شے اسی کی امانت ہے۔

☆ مومن وہ ہے جو اپنے رب کا ذکر کثرت سے کرتا ہے

☆ مومن مجسمہ اطاعت اور مجسمہ خیر ہوتا ہے۔ اور دوسروں کیلئے جیتا ہے۔

☆ مومن کا اخلاق، اخلاق محمدیؐ کا کامل نمونہ ہوتا ہے۔

☆ مومن صابر اور بڑی قوت برداشت کا مالک ہوتا ہے۔

☆ مومن باعمل اور متحرک زندگی گزارتا ہے۔ اور کبھی مایوس اور بدگمان نہیں ہوتا۔

☆ مومن کبھی کسی سے کوئی توقع نہیں رکھتا وہ صرف اور صرف اپنے رب پر بھروسہ رکھتا ہے۔

☆ مومن لاپرواہوں کیطرح زندگی نہیں گزارتا بلکہ وہ اللہ کے ہر حکم کی پرواہ کرتے ہوئے حقوق اللہ وحقوق العباد اور اپنے فرائض منصبی پوری ذمہ داری سے ادا کرتا ہے۔

☆ مومن کسی سے دوستی رکھتا ہے تو اللہ کیلئے اور کسی سے دشمنی رکھتا ہے تو اللہ کیلئے!

☆ مومن اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اس کے دل میں صرف اللہ کا خوف ہوتا ہے۔

☆ مومن پاکیزہ خیالات کا مالک ہوتا ہے اور برے خیالات سے بھی اللہ کی پناہ مانگتا ہے۔

☆ مومن وسیع النظر اور وسیع القلب ہوتا ہے اور چھوٹی موٹی باتوں پر کبھی رنجیدہ نہیں ہوتا۔

☆ مومن ہر حال میں اللہ کو یاد رکھتا ہے۔ اور کسی بھی حالت میں اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔

رسول اکرم ﷺ کا بچوں کے ساتھ تعلق ومحبت

مولانا اکرام اللہ جان قاسمی

☆ اسلام حقوق انسانی کا پہلا علمبردار مذہب ہے۔ اس دین میں انسان کو دیگر حقوق کے ساتھ ساتھ زندہ رہنے کا حق دیا گیا ہے۔ اور تمام انسانوں پر واضح کیا ہے کہ کوئی بھی انسان چاہے جس مذہب، رنگ، نسل او علاقے سے تعلق رکھتا ہو، اسے چند ایک استثنائی صورتوں کے سوا جینے کا پورا حق حاصل ہے تا آنکہ وہ اپنی حیات مستعار پوری کر کے طبعی طور پر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اسلام سے قبل دور جاہلیت میں قتل اولاد ایک بھیانک معاشرتی وبا کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ دنیا کی سب سے مہربان ہستیاں والدین اپنے لخت جگر کو موت کی آغوش میں بخوشی دے دیتے تھے۔ قتل اولاد کی تین صورتیں تھیں، ایک صورت یہ تھی کہ اولاد کو دیوی دیوتاؤں کے نام چڑھاوے کے طور استھان (قربان گاہ) لے جا کر ذبح کر دیا جاتا تھا، یہ قسم کسی بڑے مقصد کے حصول یا دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے اوران کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے کی جاتی تھی۔ اسلام نے آکر اس سنگدلانہ مذموم فعل سے سختی کے ساتھ منع فرمایا! قرآن پاک میں ارشاد ہے!

ترجمہ: اس طرح بہت سے مشرکوں کو ان کے دیوتاؤں نے یہ بات خوبصورت کر کے دکھائی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں تا کہ انجام کار یہ دیوتا ان مشرکوں کو ہلاک کر دیں اوران کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں۔

اس سلسلے میں مزید ارشاد ہے!

ترجمہ: تحقیق خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے نادانی سے بغیر علم کے اپنی اولاد کو قتل کیا۔

اسلام نے بڑی سختی کے ساتھ تمام بتوں اور قربان گاہوں کو باطل قرار دیا اور نذر و نیاز کا حقدار صرف اور صرف اللہ کی ذات کو ٹھہرایا۔

قتل اولاد کی دوسری وجہ یہ تھی کہ والدین بچوں کو فکر معاش کی وجہ سے قتل کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس قتل سے بھی واضح الفاظ میں منع فرمایا۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے۔

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے قتل مت کرو، ہم ہی ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بیشک ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا!

ترجمہ: کونسا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بڑا ہے؟ فرمایا! یہ کہ تو اللہ کے لئے کوئی شریک ٹھہرائے، حالانکہ اس نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے! میں نے عرض کیا کہ یہ واقعی بہت بڑا گناہ ہے، اس کے بعد کس گناہ کا درجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر یہ گناہ سب سے زیادہ ہے کہ تو اپنے بچے کو اس خوف سے قتل کر دے کہ وہ تیرے کھانے میں تیرے ساتھ شریک ہو جائے گا۔

قتل اولاد کی تیسری اور سب سے وحشت ناک صورت یہ تھی کہ عرب اپنی بچیوں کو خود زندہ درگور کرتے تھے اور اس کی وجہ وہ غیر فطری اور مصنوعی شرم وحیاء ہوا کرتی تھی کہ کل یہ لڑکیاں بڑی ہو کر کسی کے گھر کی زینت بنیں گی، اور ان کے ساتھ زن وشوئی کے تعلقات قائم ہوں گے، قرآن کریم نے اس صورت حال کی منظر کشی یوں کی ہے!

ترجمہ: بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی یہ قبیح رسم ویسے تو پورے عرب میں پھیل گئی تھی مگر بنو تمیم میں اس کا رواج سب سے زیادہ تھا، چنانچہ اس قبیلے کے رئیس قیس بن عاصم نے خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ اعتراف کیا تھا کہ اس نے اپنی بارہ لڑکیاں زندہ درگور کی ہیں، جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر لڑکی کے بدلے میں ایک غلام آزاد کرو۔

ایک صحابی ایک مجلس میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنی بیٹی کو زندہ درگور کرنے کا دلخراش واقعہ سناتے ہوئے کہا کہ اس کی چیخ وپکار کی آوازیں ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہی ہیں، تو مجسم رحمت ﷺ سے ضبط نہ ہو سکا اور آپ اس قدر روئے کہ داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

اسلام نے قتل اولاد کی ان تمام صورتوں کو بڑی سختی کے ساتھ منع کیا۔ آنحضرت ﷺ نے کئی مواقع پر مردوں اور عورتوں سے جو بیعت لی ہے۔ اس میں قتل اولاد سے باز رہنے کا وعدہ بھی لیا ہے، سور ممتحنہ میں جن جن باتوں پر عورتوں سے بیعت لینے کے لئے ارشاد ہوا ہے ان میں ایک یہ بھی تھی۔ سلسلے میں قیامت کا ہولناک دن یاد دلا کر خون میں لت پت ننھی، معصوم اور مظلوم جانوں سے یہ استفسار کیا گیا ہے!

ترجمہ: اور جب لڑکی سے جو زندہ درگور کر دی گئی تھی پوچھا جائے گا کہ تو کس گناہ پر قتل کی گئی۔

ان واضح اور پر تاکید تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ مسلمان دل وجان سے اس کمزور صنف کی خدمت وعزت بجالانے کو باعث فخر سمجھنے لگے۔ صحابہ کرامؓ نے اس سلسلے میں جو بلند روایات قائم کی ہیں اس کا ایک نمونہ بخاری شریف کی کتاب الصلح میں مذکور ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ کی روایت کردہ طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے عمرہ ادا کرنے کے بعد مکہ سے واپسی کا ارادہ فرمایا تو سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی یتیم چھوٹی بیٹی (امامہ جو مکہ میں رہ گئی تھی) آنحضرت ﷺ کے پیچھے چچا چچا کہتی ہوئی دوڑی۔ حضرت علیؓ نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر حضرت فاطمہؓ کے حوالے کرتے ہوئے کہا ''اپنے چچا کی بیٹی کو لے کر اٹھالو'' پھر حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت

جعفرؓ نے اس کے بارے میں جھگڑا شروع کیا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں اس لڑکی کی پرورش کا زیادہ مستحق ہوں کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا (میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کیونکہ) یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے حضرت زید نے کہا کہ یہ میرے (دینی) بھائی کی بیٹی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے لڑکی کا فیصلہ خالہ کے حق میں کر دیا اور فرمایا کہ خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے، پھر حضرت علیؓ سے فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تجھ سے ہوں اور حضرت جعفرؓ سے فرمایا تم میری صورت اور سیرت کے مشابہ ہو اور حضرت زیدؓ سے فرمایا تم میرے بھائی اور مولیٰ ہو۔

آپؐ نے دیکھا کہ عرب معاشرہ جو اس سے کچھ قبل بچوں کے زندہ درگور کرنے پر تلا ہوا تھا بچوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے تعلق و محبت کی وجہ سے ایسے مقام پر پہنچ گیا کہ ایک ہی بچی کو لینے کے لئے ایک ہی وقت میں چار چار گودیں شوق پرورش میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور پھر جب اس بچی کا فیصلہ ان میں سے ایک مستحق کے حق میں ہو جاتا ہے۔ تو آنحضرت ﷺ اس کی پرورش کے دوسرے خواہش مند افراد کو ان کے بارے میں فضائل سنا کر خاموش اور مطمئن کر دیتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی ذات نہ صرف انسانوں بلکہ تمام جانداروں کے لئے مجسم رحمت و شفقت تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا اعلان فرمایا!

ترجمہ: اور ہم نے آپ (ﷺ) کو تمام جہانوں کے (لوگوں کے) لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

مگر بچوں کے لئے آپؐ بطور خاص مجسم رحمت و شفقت تھے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ عرب کے سنگدلانہ معاشرے میں بچوں کے ساتھ عملی طور پر پیار و محبت اور رحم و شفقت کی بانی آپؐ کی ذات بابرکات تھی، بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علیؓ کو پیار سے چوما تو آپؐ کے پاس موجود حضرت اقرع بن حابسؓ نے عرض کیا کہ حضرت میرے تو دس بیٹے ہیں میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپؐ نے اس کو (تعجب سے) دیکھا اور فرمایا کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

ایک دوسری روایت میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دیہاتی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا کہ تم لوگ اپنے بچوں کو پیار سے چومتے ہو؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ وہ عرض کرنے لگے ہم تو ایسا نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں سے محبت نکال دی ہے۔ تو میرا کیا بس چلتا ہے۔

رحم و شفقت بچوں کا بنیادی حق ہے اور جو کوئی اس حق کی ادائیگی سے منہ موڑتا ہے تو رسول اللہ ﷺ ایسے شخص کو اپنی امت سے خارج گردانتے ہیں، ترمذی میں حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تمام عبادات میں نماز اہم ترین عبادت ہے، رسول کریم ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتائی ہے۔ ابتداء اسلام میں عورتیں بھی مسجد میں جا کر جماعت کی نماز میں شریک ہوتی تھیں۔ ان کے بچے جماعت کی نماز کے دوران روپڑتے تھے۔ آپؐ ان بچوں کے رونے کی وجہ سے اپنی نماز مختصر فرما لیتے تھے بخاری کی روایت میں ہے حضرت حارث بن ربعیؓ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا ارادہ ہوتا ہے کہ لمبی نماز پڑھوں پھر میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر لیتا ہوں اور اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لمبی نماز کہیں اس کی ماں پر شاق نہ گزرے۔

بچوں کے ساتھ مذاق اور خوش طبعی جہاں ایک طرف بچوں کا حق اور پیار و شفقت کی علامت ہے۔ وہاں یہ صفت انسان کی عاجزی، فروتنی اور منکسر المزاجی کی بھی دلیل ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے خوش طبعی بھی فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرمایا کرتے تھے۔ ابو عمیر تمہارے نغیر کا کیا ہوا؟ نغیر ایک چڑیا کا نام ہے، انس کا بھائی ابو عمیر اس سے کھیلا کرتا تھا اور وہ مرگئی تھی۔ نغیر چڑیا کو اردو میں پدڑی کہتے ہیں، اس سے چھوٹے ابو عمیر کھیلا کرتے تھے اور اس کے ساتھ کافی مانوس ہو گئے تھے، پھر وہ چڑیا مرگئی تھی، آنحضرت ﷺ اس بچے کو یہ چڑیا یاد دلاتے تو وہ غمگین ہو کر حسرت بھرا چہرہ بنا لیتے۔ بچے کا معصوم چہرہ جب پریشان ہو کر ماضی کے خیالات میں کھو جاتا ہے۔ تو کتنا پیارا لگتا ہے۔ بچوں کی ان اداؤں سے محظوظ ہونا بھی ان کے ساتھ محبت کی علامت ہے، آنحضرت ﷺ بس اسی کیفیت سے محظوظ ہونے کی خاطر اسے اس کی نغیر چڑیا یاد دلاتے تھے۔

بچوں کے ساتھ تعلق و محبت کا تقاضا ہے کہ کھانے پینے میں ان کو اپنے دستر خوان پر شریک کیا جائے اور آداب سکھا کر ان کی تربیت کی جائے، حضرت عمرو بن ابی سلمؓ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کی پرورش اور تربیت میں تھا میرا ہاتھ کھانا کھاتے وقت (گوشت سبزی کی تلاش میں) رکابی میں گھومتا تھا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، بسم اللہ پڑھ اور دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے پاس سے کھا۔

دنیا کی شخصیات میں سے اکثر کو ہم دیکھتے ہیں کہ بعض افراد بظاہر بڑے ہمدرد اور انسان دوست ہوتے ہیں لگتا ہے کہ ان کا رویہ ہر انسان اور ہر جگہ بڑا مشفقانہ اور ان کا کردار قابل نمونہ ہوگا مگر جب ان کے قریب رہا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تنہائی کی زندگی ان کی ظاہری زندگی سے یکسر مختلف ہے۔ اور ان کی ظاہری ہمدردی محض ایک ڈھونگ ہے مگر رسول اکرم ﷺ کی خلوت و جلوت والی دونوں زندگیاں ہمارے سامنے بے غبار حالت میں موجود

ہیں ۔ آپؐ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس برس تک خدمت کی ہے، آپؐ نے مجھے کبھی اف تک نہیں کہا اور کوئی کام جو میں کر گزرتا اس کے بارے میں نہیں پوچھا کہ تو نے کیوں کیا؟ اور جو کام نہیں کر پاتا اس کے متعلق نہیں پوچھا کہ یہ کام تو نے کیوں نہیں کیا؟

یہی حضرت انسؓ ایک دوسری روایت میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اخلاق کے اعتبار سے تمام لوگوں سے بہتر تھے ۔ ایک دن آپؐ نے مجھے کسی کام کے لئے بھیجا میں نے کہا بخدا میں نہیں جاؤں گا، لیکن میرا ارادہ تھا کہ (جس کام کا آپؐ نے حکم فرمایا ہے اسے کرنے) چلا جاؤں، پھر میں گھر سے باہر نکلا اور لڑکوں کے پاس گزرا جو بازار میں کھیل رہے تھے، ناگہاں رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے آکر میری گدی پکڑ لی میں نے مڑ کر حضور ﷺ کو دیکھا تو آپؐ مسکرا رہے تھے، آپؐ نے فرمایا انس کیا تم ادھر جا رہے ہو جہاں میں نے تجھے بھیجا تھا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہاں میں اب جا رہا ہوں۔

ذرا سوچئے! اگر ہمارا کوئی خادم اس طرح کرتا تو ہم مار مار کر اسے لہولہان کر دیتے کہ ہم نے فلاں کام سے بھیجا ہے اور تم یہاں راستے میں کھیل رہے ہو، مگر صدقے جایئے آپؐ کے اخلاق کریمانہ پر کہ حضرت انسؓ نے جب پیچھے دیکھا تو مجسم رحمت وشفقت کا چہرہ انور مسکراتا ہوا پایا۔

گھر میں شور شرابا کرنے والے بچوں کو ہم یا تو مارتے ہیں یا گھر سے نکال دیتے ہیں یا کم از کم ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کرا دیتے ہیں ۔ رسول اکرم ﷺ کا اس سلسلے میں کیا طرز عمل تھا، حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپؐ ان کے گھر میں منہ ڈھانک کر آرام فرما رہے تھے، عید کا دن تھا اور آپؐ کے گھر میں چھوٹی لڑکیاں گا بجا رہی تھیں، حضرت ابوبکرؓ آئے تو ان کو ڈانٹا ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ان کو گانے دو ان کی عید کا دن ہے۔

یہ بچیاں دف بجا رہی تھیں اور کم سن تھیں، نیز جہاد و غزوات میں ان کے باپ دادا نے جو جوانمردی دکھائی تھی اسے اشعار میں بیان کر رہی تھیں، لہٰذا رسول اکرم ﷺ نے ان کو منع نہیں فرمایا بلکہ حضرت ابوبکرؓ کے منع کرنے پر بھی فرمایا کہ ان کو گانے دو، ان کی عید کا دن ہے۔

محبت و تعلق کے حوالہ سے حضرت حسنینؓ آپؐ کے سب سے زیادہ قریب رہے ہیں۔ حضرت حسنؓ کی پیدائش ۳ھ میں ہوئی تھی اور حضور ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر ساڑھے ساتھ برس تھی۔ حضرت حسینؓ ان سے ایک سال چھوٹے تھے یہ دونوں حضرات وہ خوش نصیب ہستیاں ہیں جن کو بچپن میں آپؐ کی آغوش تربیت میں پلنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔

آپؐ ان دونوں حضرات سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اہل بیت میں کون آپؐ کو سب سے زیادہ پیارا لگتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا حسن اور حسین۔ آپؐ حضرت فاطمہؓ سے فرماتے کہ میرے بیٹوں کو بلاؤ پھر آپؐ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے جسموں کو سونگھتے اور ان کو اپنے گلے سے لگا لیتے۔

اسی طرح ایک روایت میں حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں کسی ضرورت سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ گھر کے اندر سے اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپؐ ایک چیز کے اندر لپٹے ہوئے تھے۔ جس سے میں ناواقف تھا کہ وہ کیا چیز ہے جب آپؐ سے میں اپنی ضرورت عرض کر چکا اور اپنی حاجت سے فارغ ہوگیا تو میں نے پوچھا حضور ﷺ! یہ آپ کیا چیز لئے ہوئے ہیں، آپؐ نے اس چیز کو کھولا تو وہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ تھے ۔ جو آپؐ کے دونوں کولھوں پر بغلوں میں تھے اور آپؐ ان پر چادر ڈالے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں ۔ اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور جو شخص ان سے محبت کرے تو اس سے بھی محبت کر۔

ایک دوسری حدیث جس سے حضرت حسینؓ کے ساتھ آپؐ کی بے انتہا محبت کا اندازہ ہوتا ہے، حضرت بریدہؓ کی روایت کردہ ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے خطبہ فرما رہے تھے اچانک حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سامنے آگئے، جو اسوقت سرخ کرتے پہنے ہوئے تھے۔ وہ چلتے اور گر پڑتے یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے اور دونوں بچوں کو گود میں اٹھالیا اور پھر اپنے سامنے دونوں کو بٹھا کر فرمایا خداوند تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ (یعنی آزمائش کی چیزیں) ہیں۔ میں نے دونوں بچوں کو دیکھا کہ یہ چلتے ہیں اور گر پڑتے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہوسکا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات کو قطع کر دیا اور ان دونوں کو اٹھالیا۔

اس سلسلے میں ایک دوسری حدیث جس میں حضرت حسنؓ کے ساتھ محبت کے علاوہ آپؐ کی برجستہ گوئی کا بھی بیان ہے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن بن علیؓ کو اپنے کندھے پر بٹھائے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے عرض کی۔ لڑکے! تو کسی اچھی سواری پر سوار ہے؟ نبی کریمؐ نے فرمایا اور وہ سوار بھی تو اچھا ہے۔

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چار نرینہ اولاد مرحمت فرمائی تھی، جو بقضائے الٰہی چاروں بچپن کی حالت میں وفات پاگئے تھے۔ ایک بچے کی وفات پر جو رنج وقلق عام والدین محسوس کرتے ہیں بہ تقاضائے بشریت آپؐ بھی وہ تمام جذبات اور احساسات رکھتے تھے، مگر شرعی حدود کے اندر رہ کر آپؐ نے امت کے سامنے تسلیم و رضا کا کامل نمونہ پیش فرمایا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم (جو ماریہ قطبیہ کے بطن سے تھے) کے پاس تشریف لے گئے اس وقت ابراہیم جان کنی کے عالم میں تھے۔ آپؐ

کی آنکھیں چھلک پڑیں ۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپؐ کا بھی یہ حال ہے؟ آپؐ نے فرمایا اے ابن عوف! یہ تو رحمت خداوندی ہے اس کے بعد دوبارہ آپؐ کے آنسو نکل پڑے تو فرمایا!

ترجمہ: بلاشبہ آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور دل غمگین ہے، لیکن ہم وہی کچھ کہیں گے جس پر ہمارا رب راضی ہوگا اور ابراہیم ہم تیری جدائی پر غمگین ہیں۔

بچوں سے رحم وشفقت کے سب سے زیادہ محتاج یتیم بچے ہوتے ہیں جو کم عمری میں والدین کے سایہ سے محروم ہوجاتے ہیں۔ مضبوط سہارا نہ ہونے کے باعث یہ بچے عام طور پر دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات اور عمل کے ذریعہ یتیم بچوں کے ساتھ تعاون اور ان کی نگہداشت پر بڑا زور دیا ہے۔ حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ تو یتیم کے بالوں کے برابر جن پر اس کا ہاتھ پڑتا ہے نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور جو شخص کسی یتیم بچے یا بچی کے ساتھ جو اس کی تربیت اور پرورش میں ہو احسان کرے تو میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے۔ آپؐ نے (تشہد اور درمیان والی) دونوں انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔

آپؐ یتیموں اور بیکسوں کے خصوصی والی اور نگہبان تھے، آپؐ سے یتیموں کی بیکسی اور غریبوں کی بے بسی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ ان میں سے اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی تو آپؐ بے قرار ہوجاتے اور فوراً اس کی مدد کے لئے پہنچ جاتے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے حضرت جعفرؓ کے گھر والوں کو (ان کی شہادت کے موقع پر) تین دن رونے کی مہلت دی، اس کے بعد ان کے ہاں آئے اور ارشاد فرمایا آج کے بعد میرے بھائی پر مت رونا، پھر فرمایا میرے بھتیجوں کو بلاؤ۔ ہمیں آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا، گویا ہم چھوٹے چھوٹے چوزے تھے، پھر فرمایا نائی کو بلاؤ، آپؐ نے حکم دیا تو اس نے ہمارے پورے سر کے بال اتار دیئے۔

حضرت جعفر طیارؓ آپؐ کے چچازاد بھائی تھے۔ موتہ کی مشہور لڑائی میں شہید ہوگئے تھے۔ آپؐ ان کی شہادت کے بعد ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے بیٹوں عبداللہ، عون اور محمد کو طلب کیا، جو بہت چھوٹے چھوٹے تھے، آپؐ نے ان کے سروں پر دست شفقت پھیرا اور گھر والوں کو تاکید کی کہ وہ سوگ کو حدود شرعی کے اندر محدود رکھیں۔ یتیم پر رحم وشفقت کے حوالے سے ایک دوسری روایت ہے جس میں حضرت ابولدحداعؓ کے ایثار کا ذکر ہے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی عدالت میں ایک یتیم لڑکے نے ایک شخص پر ایک نخلستان (کھجوروں کے باغ) کے متعلق دعویٰ پیش کیا، مگر وہ دعویٰ ثابت نہ ہوسکا اور آپؐ نے وہ نخلستان مدعا علیہ کو دلا دیا۔ اس پر وہ یتیم رو پڑا، آنحضرت ﷺ کو رحم آیا اور اس مدعا علیہ سے فرمایا کہ تم یہ نخلستان اس یتیم کو دیدو، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے بدلے جنت دے گا۔ وہ اس ایثار پر راضی نہ ہوا، حضرت ابوالدحداعؓ حاضر خدمت تھے انہوں نے اس شخص سے کہا کہ کیا تم اپنا یہ نخلستان میرے فلاں باغ سے بدلتے ہو؟ اس نے آمادگی ظاہر کردی۔ انہوں نے فوراً بدل دیا اور وہ نخلستان اپنی طرف سے اس یتیم کو ہبہ کر دیا۔

مختصر یہ کہ رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات بچوں کے لئے سراپا رحمت وشفقت تھی اور رہتی دنیا کے لئے ایک کامل نمونہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح ہم اس باب میں بھی رسول اکرم ﷺ کی پیروی اور اتباع کو لازم پکڑیں تا کہ ایک طرف بچوں کو صحیح پیار ومحبت مل سکے تو دوسری طرف ہم اپنی ذمہ داریوں سے احسن طریق پر عہدہ برآ ہوکر اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہوسکیں۔ ❁

معمولات سفر

حضور ﷺ کو جمعرات کے دن علی الصباح سفر کرنا پسند تھا۔ کسی لشکر یا فوجی دستے کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو صبح کے تڑکے ہی روانہ فرماتے۔ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ازواج مطہرات پر قرعہ ڈالتے جن زوجہ محترمہ کے نام قرعہ پڑتا سفر میں ان کو ساتھ لے جاتے۔ سواری سامنے آتی تو رکاب میں قدم رکھتے وقت آپ بسم اللہ کہتے اور سوار ہوکر تین مرتبہ اللہ اکبر فرماتے۔ راستے میں جگہ جگہ دعائیں مانگتے جاتے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچ کر پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر گھر تشریف لے جاتے۔

عکسِ تحریر

حسنِ گفتار

''حسن گفتار'' معروف سیرت نگار جناب طالب ہاشمی کی تالیف ہے۔ میں نے ان کی کتاب ''تذکار صالحات'' کے تعارف میں لکھا تھا کہ کسی کتاب کے لائق مطالعہ ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے سرورق پر جناب طالب ہاشمی کا نام لکھا ہو۔ ایک اچھی اسلامی کتاب لکھنے کے لیے جن عناصر کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام جناب طالب ہاشمی میں بدرجہ، اتم پائے جاتے ہیں مثلاً وسیع ذخیرہ الفاظ، زبان کے قواعد وضوابط پر عبور، انگریزی، عربی اور فارسی زبانوں سے شناسائی، قرآن مجید، احادیث رسولؐ، سیرت رسولؐ اور سیرت صحابہؓ سے مکمل آگہی وغیرہ۔ اگر جناب طالب ہاشمی کو الفاظ کی لغت اور اسلامی معلومات کا انسائیکلو پیڈیا بھی کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ لکھتے ہوئے وہ اپنے قلم کو زبان کے قواعد وضوابط سے سرمو ادھر ادھر نہیں ہونے دیتے۔ اختلافی موضوعات سے حتیٰ الامکان اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہیں، اس لیے ان کی کتب ہر مکتبہ، فکر کے قاری کے لیے یکساں پسندیدہ ہیں۔ زبان شستہ وشگفتہ اور آسان فہم ہوتی ہے، مشکل منطق بھی ان کی تحریروں میں دیکھنے کو نہیں ملتی، اس لیے ہر طبقہ میں ان کی کتب پسند کی جاتی ہیں۔ تازہ تالیف ''حسن گفتار'' جناب طالب ہاشمی کے قلم کی تمام خوبیاں اور حسن اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ کتاب ایمان، اخلاق اور معاشرتی اصلاح کے 50 مختلف مضامین پر مشتمل ہے۔ ہر مضمون جامع ہے۔ نہ صرف طلبہ وطالبات کو یہ کتاب تقریری مقابلوں اور مضمون نویسی میں بہترین مواد فراہم کرسکتی ہے بلکہ خطیب حضرات کے خطبہ، جمعہ کے لیے بھی نہایت مفید ہوگی۔ چند عنوانات ملاحظہ فرمائیں: قرآن حکیم کی روشنی میں انسان کا مقصد حیات، خیر وشر میں امتیاز، راست گفتاری، نماز جنت کی کنجی ہے۔ رواداری اور کشادہ دلی، اسلامی زاویہ نگاہ سے بچوں کی تعلیم وتربیت، حسد کا منہ کالا، والدین کی اطاعت جنت کی ضامن، چند عجیب عادتیں، مسرت اور شادمانی کا اسلامی تصور وغیرہ۔

فاضل مؤلف اپنی کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں:

''یہ مجموعہ اوراق ان 50 مضامین پر مشتمل ہے جو گزشتہ چند سالوں میں وقتاً فوقتاً مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوئے یا ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر ہوئے اور علمی ودینی حلقوں میں پسند کیے گئے۔ یہ تمام مضامین متفرق دینی ومعاشرتی موضوعات پر ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق اخلاق کے مختلف پہلوؤں دین حق اسلام کے بعض خصائص اور اصلاح معاشرہ ہے۔ ان کو پڑھ کر معلوم ہوگا کہ ایک مومن کا مقصد حیات کیا ہے، اسلامی تہذیب وتمدن کے خدوخال کیا ہیں، اولاد کی تعلیم وتربیت کے تقاضے کیا ہیں، مسرت اور شادمانی کا اسلامی تصور کیا ہے۔ عورتوں، پڑوسیوں اور گھریلو ملازموں (یا زیردست افراد) کے حقوق کیا ہیں، ایک مسلمان کا دوسرے پر کیا حق ہے، اسلام میں عدل، اعتدال اور رواداری کی کیا اہمیت ہے وغیرہ وغیرہ''

مزید لکھتے ہیں: ''فی الحقیقت ان مضامین کا مقصود ومنشا اخلاق کی اصلاح اور اپنے مسلمان بھائیوں کو وہ اوصاف اپنانے کی طرف راغب کرنا ہے جن کی قرآن حکیم کی سورہ الفرقان میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: اور رحمٰن کے (اصلی) بندے وہ ہیں۔ جو زمین پر نرم چال (مسکنت کے ساتھ) چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام (یعنی رفع شر کی خاطر ان سے جھگڑا نہیں کرتے) جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں، جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے عذاب جہنم کو دور رکھ۔ بیشک جہنم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے۔ وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے روز اس کو مکرر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا الا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا، وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ جو شخص توبہ اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے۔ اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح (اس کے پاس سے سلامت روی کے ساتھ) گزر جاتے ہیں۔ جنہیں اگر ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے، جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیز گاروں کا امام بنا۔ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل منزل بلند کی شکل میں پائیں گے۔ آداب وتسلیمات سے ان کا استقبال ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ کیا ہی اچھا ہے وہ مستقر اور وہ مقام''۔

معروف صحافی ڈاکٹر خواجہ نظامی صاحب کتاب کی ''تقدیم'' میں اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کتاب کے مضامین قرآن وحدیث کی تعلیمات پر مبنی ہیں جو نہایت عام فہم اور سلیس زبان میں لکھے گئے ہیں۔ انداز بیان شگفتہ شستہ اور دل نشین ہے، جن سے بچے جوان اور بوڑھے سبھی مستفید ومستفیض ہوسکتے ہیں۔ لیکن بعض مضامین ایسے ہیں ن سے خصوصی فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے۔ مثلاً کار پروازان حکومت ''عدل کی اہمیت'' اور ''اسلام میں عورتوں کے حقوق'' جیسے مضامین سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ اسی طرح دکاندار ''تجارت کے اسلامی اصول'' اور ''مسلمان تاجر کا کردار'' وغیرہ مضامین سے بھرپور استفادہ کرسکتے ہیں۔ اور عورتیں ''اسلامی نقطہ نظر سے بچوں کی تربیت''، ''آزادی نسواں''، ''رزق حلال اور پرورش اولاد''، ''عورتوں کی خاص الخاص صفت حیا ہے'' اور ''جہیز کی بیماری'' جیسے مضامین سے بہت کچھ سیکھ سکتی ہیں اور عملی زندگی میں رہنمائی حاصل کرسکتی ہیں۔ اگر ملک کے مخیر حضرات مصنف کی اجازت سے ان مفید مضامین کو پمفلٹ کی صورت میں شائع کر کے لوگوں میں تقسیم کرنے کا اہتمام کریں تو اس سے ہمارے ہاں معاشرتی انقلاب کے سلسلہ میں اہم کام لیا جاسکتا ہے۔ ''حسن گفتار'' میں شامل یہ تمام مضامین گہرے سماجی، معاشرتی اور ملی وقومی شعور کے حامل ہیں۔ ان کے مطالعہ سے دینی ودنیاوی کامیابی اور اُخروی فلاح ونجات کا حصول ممکن ہوسکتا ہے۔ آج ہماری قوم کو ایسی ہی مفید، پرمغز اور ایمان افروز کتابوں کی ضرورت ہے''۔

خوبصورت چہار رنگ دیدہ زیب جلد کے ساتھ 264 صفحات کی یہ کتاب صرف ایک سو روپے میں ''البدر پبلی کیشنز، راحت مارکیٹ، اردو، بازار لاہور'' سے دستیاب ہے۔


خوش ذائقہ اور غذائیت سے بھرپور
حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق تیار کردہ
MUJAHID
مجاہد
مجاہد
بناسپتی گھی
وٹامن اے اور ڈی سے بھرپور
تیار کردہ : حفیظ اقبال آئل اینڈ انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ' انڈسٹریل اسٹیٹ' ہری پور
PH: (0995) 617367, 617368, 617007
Head Off. Islamabad Ph: (051) 430237-38 Fax: (051) 433043

The Monthly Momin Lahore

